خالد کی خالہ

(یہ ڈراما ہندوستانی تھیٹر کے لئے تیار کیا گیا)

قدسیہ زیدی

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

قیمت
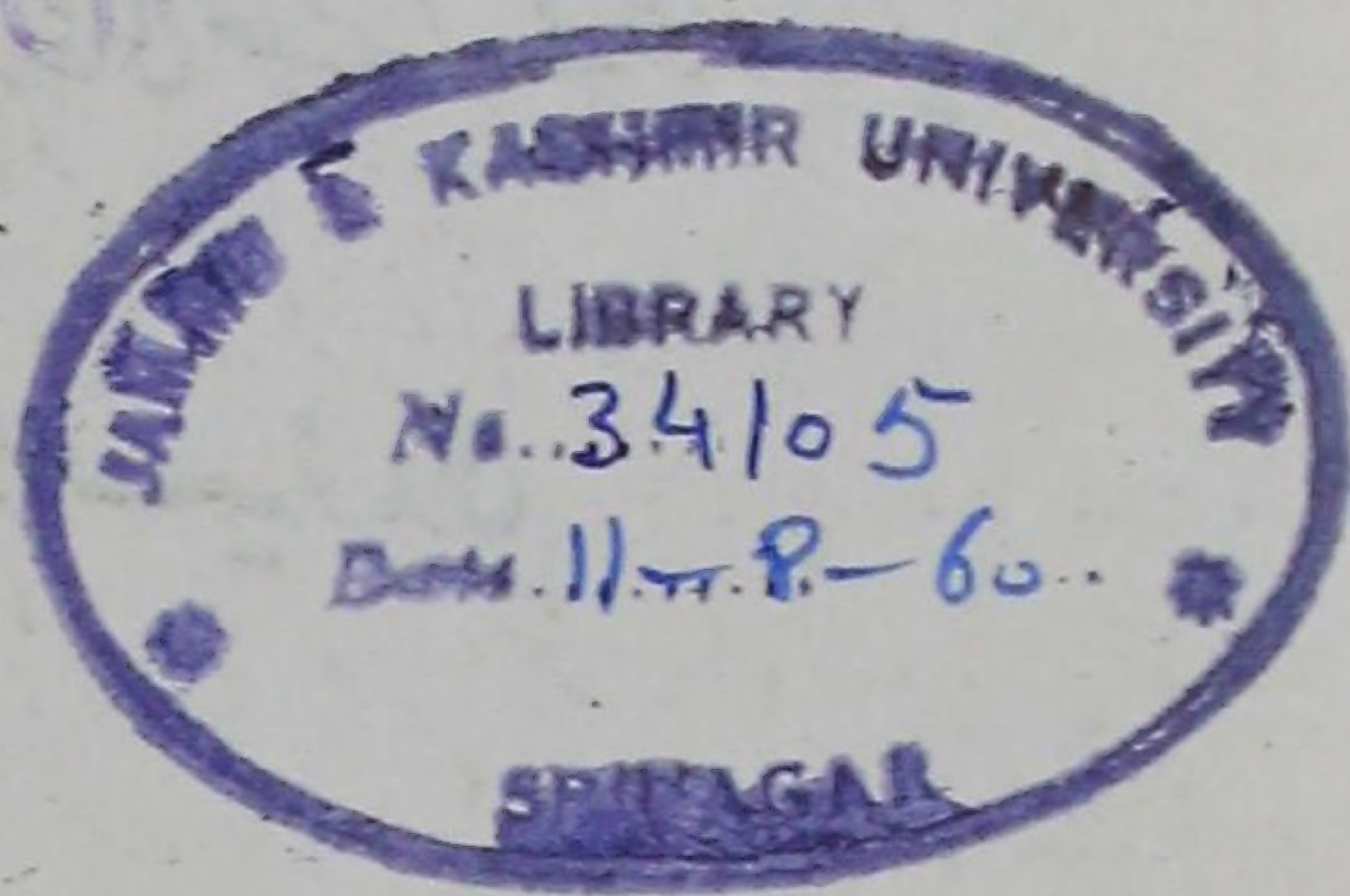
پیش لفظ

اردو میں ڈراما ابھی نو عمر ہی ہے۔ اگرچہ سنسکرت میں ڈرامے کی ایک شاندار روائت تھی، مگر مذہبی روایات اور تہذیبی اثرات نے اُردو میں اس صنف کو اچھی طرح پنپنے نہ دیا۔ جب مغربی تہذیب ہندوستان میں پھیلی تو ڈرامے کی طرف بھی توجہ ہوئی، مگر عرصے تک یہ مالِ تجارت ہی رہی خونِ جگر نہ ہو سکی۔ اردو ڈرامے کی عمر سو سال سے کچھ زیادہ ہی ہے مگر معیاری ڈرامے اب بھی بہت کم ہیں۔ آغا حشر کی تیز شہنائی مقصدی ڈراموں کی نیم پختہ پیداوار۔ امتیاز علی تاج۔ سید حیدر، اشتیاق حسین قریشی، مجیب اور چند افسانہ نگاروں کے آڑے ترچھے نقوش ہی ہمارے ڈرامے کی کل کائنات ہیں۔ اسٹیج کی طرف سے بے توجہی فلم کی کشش، لکھنے والوں میں بصیرت اور تعمیری صلاحیت کی کمی بڑی حد تک اِس کوتاہی اور تہی مائیگی کا باعث ہیں۔ ہمارے یہاں واعظ یا ناصح مشفق بہت ہیں، فن کار کم اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ڈرامے یا تو اونگھتے ہوئے چلتے ہیں یا چیختے ہوئے، ان میں زندگی کی

جاذبیت، برق رفتاری اور روح مفقود ہے۔

مغربی ڈراموں کے ترجمے ضرور ہوئے ہیں۔ پڑھنے والوں نے ان سے فائدہ بھی اُٹھایا ہے۔ مگر ڈرامہ دراصل پڑھنے کے لئے نہیں، کھیلنے کے لئے ہے۔ کرداروں کے حرکات وسکنات، اُن کی فتح و شکست، اُن کے عروج وزوال اُن کے آغاز وانجام کو اسٹیج پر دیکھ کر زندگی کا جو عرفان ہوتا ہے وہ ڈرامے پڑھ کر نہیں ہوتا ہمارے یہاں جو ڈرامے کھیلے جاتے ہیں اُن میں تاریخ کے جادو، لباس کی رنگا رنگی، مکالموں کی ادبیت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ گویا بنیادی چیزوں کے بجائے ذیلی چیزوں پر توجہ کی جاتی ہے۔ ڈرامے کی جان عمل ہے۔ یہ عمل کرداروں کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر عمل کے بجائے طویل طویل تقریریں ہوں اور کرداروں میں محض معمولی درجے کا تمثیلی رنگ ہو تو دیکھنے والا اِس طلسم بندی میں اسیر نہیں ہو سکتا جو ڈرامے کی روح ہے۔

ڈراما دراصل ایک طلسم بندی یا نظر بندی ہے یہاں بقول کولرج (WILLING SUSPESION OF DISBELEIF) یعنی اپنی نکتہ چینی کی صلاحیت کو برضا ورغبت معلّق رکھنے کی ضرورت ہے ایسا اُسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ اُس فریبِ نظر میں کھو سکے جو اسٹیج پر دکھایا جا رہا ہے۔ اِس کیفیت کے لئے مناسب اور موزوں پس منظر، موضوع کی واقفیت، کرداروں کا فطری رنگ،

اُن کی موزوں بات چیت اور ڈرامے کا قدرتی بہاؤ ضروری ہے۔
دیکھنے والے کو یہ ضرور محسوس ہونا چاہیے کہ ہم بھی اُس ماحول میں ایسا ہی کچھ کرتے، یا جو کچھ ہو رہا ہے۔ اُس کے لئے مناسب دلائل اور وجوہ موجود ہیں۔ مثلاً لمبی لمبی تقریریں زندگی میں کم لوگ کرتے ہیں۔ خال خال آدمی بات چیت میں ادبی زبان استعمال کرتے ہیں۔ لمبی تقریریں اُنہیں کو زیب دیتی ہیں جنہیں برنارڈ شا کی طرح کوئی بڑی بات کہنا ہو۔ پھر بڑی عمر کے لوگوں کو اُنگلی پکڑ کر نہیں چلایا جا سکتا۔ ہاں اگر رفیق میں کوئی کشش ہے تو وہ اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ یوں تو ہمارے لکھنے والوں نے اچھے ڈرامے بھی لکھے ہیں مگر انہیں یہ احساس نہیں کہ بقول آسکر وائلڈ کہ ڈراما اُتنی ہی منفرد اور ذاتی صنف ہے جتنی شاعری۔ اگر ڈرامے میں مخصوص نظر، ذاتی بصیرت اور نتیجہ خیز حقائق کا عرفان نہیں ہے، تو وہ ڈراما دیکھنے والے کی توجہ کو اپنی طرف اِس طرح مرکوز نہیں کر سکتا کہ وہ اِس میں کھو جائے۔ ڈراما دریا کو کوزے میں بند کرنے کا نام ہے۔ یہ چند نازک لمحات میں زندگی کی ساری کش مکش اور اِس کش مکش کے انجام کو سمیٹ لانے کی بات ہے۔ ڈرامے کے کردار محبت اور نفرت، رنج اور راحت فرض اور خطرہ دلولے کی رسہ کشی میں اسیر ہوتے ہیں وہ ایک تناؤ کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اِس تناؤ کو نبھانا اور اِس میں اصلیت کا رنگ بھرنا آسان نہیں۔ اگر ڈرامے میں ایک عبرت ناک

انجام یا ایک خوش گوار اختتام سے ہی غرض ہے یا محبت کے جذبات، زبان کی ساحری، مزاح کی پھلجھڑیاں یا وعظ و پند کے مواقع ہی جلوہ گر ہوں اور اُس تناؤ، کش مکش، ڈرامائی فضا کا احساس نہ ہو جو ڈرامے کی جان ہے تو یہ ڈراما نگار کی کوتاہی ہو گی۔ اُردو کے بیشتر ڈرامے ابھی تک سُست رو ہیں یا سرپٹ دوڑتے ہیں۔ اِن میں یا جادوگری ہے یا نعرہ زنی، فن کا اعجاز نہیں ہے۔ اِس عالم میں دوسری زبانوں کے معیاری نمونوں کے ترجمے یا اُن کی بنیاد پر اپنی زبان میں تجربے بھی مفید ہو سکتے ہیں۔ اپنے ظلمت کدے میں باہر کے چراغوں سے روشنی بھی کی جا سکتی ہے۔ تاکہ وہ اپنے لیے شمع ہدایت بن سکیں۔ اُردو میں اچھے ڈراموں کے ترجمے بھی ہوئے ہیں مگر اِس میدان میں ابھی بڑی گنجائش ہے۔ اچھے نمونوں کی مدد سے ہم ڈرامے کو سستی لذت پسندی اور تجارتی قیود سے آزادی دلا سکتے ہیں جس پر تجارت قابض ہے اور اِس فن سے تجارت کے مقاصد کو بڑی حد تک پورا کر سکتے ہیں۔ ذہنی کاہلی کی وجہ سے کچھ لوگ اعلیٰ درجے کی چیزوں کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں کہ یہ بازار میں نہیں چل سکتیں۔ یہ ایک فریب ہے۔ ہر قابلِ قدر فن پارہ اپنے اندر ایک عام اپیل رکھتا ہے۔ اِس عام اپیل کے بغیر اس کی بڑائی مسلّم نہیں ہو سکتی۔

اردو میں ڈرامے کا سرمایہ ویسے ہی کم ہے۔ اِس پر مستزاد

یہ کہ اچھے دل کش اور صاف ستھرے طربیہ ڈرامے بہت کم لکھے جاتے ہیں، لوگ افلاک پر اڑتے ہیں۔ انہیں سیدھے سبھاؤ زمین پر چلنا نہیں آتا۔ المیہ کی بڑائی مسلم مگر طربیہ کا بھی کچھ حق ہے ایرک بنٹلے (ERIC BENTLY) نے اس سلسلے میں بڑے مزے کی بات کہی ہے المیہ سانحے سے شروع ہوتی ہے اور صلح امید اور احساس حسن پر ختم ہوتی ہے۔ المیہ منفرد انساں کی مصوری اس طرح کرتا ہے، کہ اس میں آفاقی انسان نظر آجائے۔ طربیہ نگار جماعتوں، طبقوں اور سانحوں کی مصوری کر کے انسانوں کے امتیازات ظاہر کرتا ہے۔ ایک میں رفعت و عظمت ہے، دوسرے میں وسعت و گہرائی۔ ہمیں دونوں کی ضرورت ہے۔

مغرب میں طربیہ کے ذریعے سے تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرت پر جس طرح لطیف تبصرے کئے گیے ہیں یا بے لاگ مصوری کے ذریعے سے جس طرح جنسی زندگی کے دھندلکوں کو روشن اور شعور و لاشعوری کی بھول بھلیوں کو ہموار کیا گیا ہے۔ وہ نہایت قابل قدر ہے۔ مولیر سے مائم تک ہمیں طربیہ کی ایک شاندار روائت ملتی ہے جس میں ابسن، شا، اسٹرنڈ برگ اور سارتر کے کارنامے بھی جگنو کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ المیہ کی گھمبیر فضا میں بعض اوقات ہمارا دم گھٹنے لگتا ہے۔ جب کہ طربیہ کی چاندنی زندگی کو ایک نعمت و رحمت بنا دیتی ہے۔ طربیہ دل بہلانے کے لئے نہیں

اِس سے ذہن روشن ہوتا ہے بلکہ میریڈتھ (MEREDITH) نے تو یہاں تک کہا ہے کہ سچّے طربیہ کی پہچان یہی ہے کہ وہ خیال انگیز ظرافت کو بیدار کرے "یعنی ہنسی ہنسی میں ہم زندگی کے سمبندھ اور معنی خیز حقائق سے دوچار ہو جائیں۔ یہ ہنسی جتنی بے ساختہ ہوگی اتنا ہی سنجیدگی کی تہہ کو زیادہ قبول کیا جا سکے گا۔ اسی لئے "ہنسنے اور کھیلنے" کا عام مقولہ کچھ غلط نہیں ہے۔

بیگم قدسیہ زیدی نے خالد کی خالہ کے نام سے (CHARLIES AUNT) کا جو ترجمہ کیا ہے وہ میریڈتھ کی اِس تعریف پر پورا اترتا ہے۔ اِس ڈرامے میں جو کھلنڈراپن بے تکلفی اور آزاد فضا ہے اور نوعمری کی شوخیوں، محبّت کی معصوم لہروں اور ایک معمولی شرارت سے جو تناؤ، کش مکش، تذبذب اور اُلجھن پیدا کی گئی ہے۔ وہ فکر و فن کی مکمل ہم آہنگی کی دلیل ہے۔ ممکن ہے کچھ لوگوں کو ایک نوجوان کا بڑے بڑوں کو اِس مغالطے میں رکھنا کہ وہ لڑکی ہے فطری معلوم نہ ہو۔ مگر یہ ناممکن نہیں ہے اور کردار کے مناسب انتخاب، میک اَپ اور اداکاروں کی صلاحیت سے یہ معجزہ دکھایا جا سکتا ہے۔ ڈرامے کا ہیرو للّو بابا خاں ہے اور ڈرامے کی کامیابی و دلچسپی بہت کچھ اس کی تیزی و طراری، اداکاری اور حاضر دماغی پر منحصر ہے۔ مگر ویسے بھی یہ ڈراما ایک نگار خانہ ہے جس میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کے اشارے

پر بڑے بوڑھے بھی ناچتے ہیں۔ شروع میں ڈرامے کی رفتار تیز ہے
واقعات بہت جلد انتہائی پیچیدہ اور ہیجان انگیز ہو جاتے ہیں۔
افشائے راز کا ہر دم خطرہ رہتا ہے۔ کیونکہ یہ ساری کارگاہ شیشہ گری
ذرا سی لغزش سے چکنا چور ہو سکتی ہے۔ لڑکے پے در پے حماقت
کرتے ہیں۔ جیسے ہی وہ ایک گتھی سلجھانے میں کامیاب ہوتے ہیں
ایک اور بڑھ جاتی ہے۔ جو بات ایک معمولی شرارت سے چلی تھی،
ایک اچھا خاصا عذابِ جان بن جاتی ہے۔ مگر خالد کی خالہ کی ہمدردی
اور دل سوزی اور نوجوانوں کے دلوں میں اُتر جانے کی صلاحیت
اِس جرأت رندانہ کو کامیاب بناتی ہے۔ اور اِس کی مدد سے نتیجہ
غیر متوقع طور پر ایک موزوں اور مناسب اختتام تک پہنچتا ہے۔

میں نے اِس آزاد ترجمے کا اصل سے مقابلہ کیا تو مجھے بیگم
قدسیہ زیدی کی چابک دستی اور قدرتِ بیان پر حیرت بھی ہوئی
اور مسرت بھی۔ اُنھوں نے ناموں کے انتخاب میں فضا پیدا کرنے
میں، بات چیت کی موزونیت اور بے تکلفی میں، اصل کی ترجمانی
کے ساتھ ہماری زبان کے رنگ و آہنگ کا بھی خیال رکھا ہے ڈرامے
میں اسٹیج کے لئے تمام ضروری ہدایات موجود ہیں۔ اور اِس لئے
مجھے یقین ہے کہ "خالد کی خالہ" نہ صرف لطف سے پڑھا جا سکتا
ہے۔ بلکہ کامیابی سے کھیلا بھی جا سکتا ہے۔ بچّوں کی معصوم شرارت
کس طرح بعض بزرگوں کی ڈھکی چھپی کم زوریوں کا پردہ فاش کرتی

ہے۔ 'خالد کی خالہ' اس کی بہت اچھی مثال ہے۔ کاش اُردو میں ایسے صاف ستھرے شگفتہ اور ہلکے پھلکے ڈرامے اور ہوتے۔ ہمارے گرد و پیش کی زندگی میں ڈرامائی عناصر کی کمی نہیں۔ صرف ایسے صاحبِ نظر اشخاص کی ضرورت ہے جو اس سے فن کے آئینہ خانے سجا سکیں۔

لکھنؤ یونیورسٹی
۱۴ جولائی ۱۹۵۵ء

آل احمد سرور

بابا خاں کے نام
جو اِس ڈرامے کی جان ہے۔

سر غلام حیدر	پیلی بھیت کے ایک خوش حال زمین دار
خان بہادر سبطین	پولیس کے ریٹائرڈ افسر
احمد سعید	علی گڑھ کے طالب علم
خالد لطیف	
نواب زادہ حبیب احمد خاں	
فقیرا	یونیورسٹی کا بیرا
بیگم صدیقہ جعفر ششتر و مابنو	خالد کی خالہ
نصرت	خان بہادر کی سوتیلی بیٹی
ثریا حسنین	خان بہادر کی عزیز
رُخسانہ شریف حسن	ایک حسین لڑکی

پہلا ایکٹ

پردہ اٹھتا ہے تو احمد اپنے کمرے میں ڈیسک پر بیٹھا دکھائی دیتا ہے منہ میں پائپ ہے اور خط لکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ خط لکھتا ہے اور پھاڑ ڈالتا ہے۔

احمد سعید۔ چھریرا جسم خوش رُو نوجوان ہے۔ سِن بائیس برس، کتھئی اچکن اور سفید علی گڑھ کٹ کا پاجامہ پہنے ہے۔ خوش طبع اور چاق چوبند ہے۔ مزاج میں خوش اعتمادی ہے۔ کھیل کی رفتار اِسی پر منحصر ہے۔

احمد: (لکھتے ہوئے) حد ہو گئی۔ دماغ ہی موزوں نہیں ہو پاتا۔ (قلم ٹیک کر) سمجھ میں نہیں آتا کیوں کر لکھوں۔ کاش کل رات دعوت کے بعد میں نے اُس سے سب کچھ کہہ دیا ہوتا۔ مگر نہیں، میں نے تو سب کچھ آخری لمحے کے لئے اٹھا رکھا۔ (اٹھ کر بیچ اِسٹیج پر آتا ہے) اور اب وہ لوگ کل کشمیر کے لئے روانہ ہو جائیں گے (چٹکی بجا کر) واللہ! اب آیا سمجھ میں، میرے خیال میں میں ایک دم ایک درجن خط لکھ ڈالوں گا اور جو سب سے زیادہ

اچھّا ہوگا وہ بھیج دوں گا۔ (ڈسک پر بیٹھ کر قلم اٹھاتا ہے، آستین چڑھاتا ہے) اچھّا تو جناب عالی اب بیٹھ جانا چاہیے، اور ہو جائیں دو دو ہاتھ۔ کیا کہنا ہے! مردوں کی دوڑ بلا بھی اگر یہ موقع نکل گیا تو سمجھ لو غضب ہی ہو جائے گا۔ مگر میرا نام بھی احمد نہیں جو میں اُسے حاصل کر کے نہ چھوڑوں۔ وہ ٹھہری میری زندگی کا مقصد۔ ہاں تو خط یوں شروع کیا جائے (لکھتا ہے) میری جان! (رُک جاتا ہے) ذرا تیز ہو گیا معاملہ (خط پھاڑ کر ایک طرف کو رکھ دیتا ہے) مائی ڈیر مس حسین (رُکتا ہے) نہیں یہ تو کچھ کاروباری سا ہو گیا۔ اور پھر میرے جذبات کی ترجمانی بھی تو نہیں کرتا۔ (پھاڑ دیتا ہے) میری پیاری ــــ ہاں، آخر کیوں نہیں (بڑے اعتماد کے ساتھ لکھتا ہے) میری پیاری ثریا۔ بس ہو گیا نہ شاندار معاملہ۔ (فقیرا اندر آتا ہے) اب سمجھ لو کہ مار لیا پالا۔ (فخر سے خط دیکھ کر) میری پیاری ثریا۔

فقیرا: حضور زحمت نہ ہو تو کچھ عرض ــــ

احمد: ضرور زحمت ہوگی۔ آپ اِس وقت تشریف لے جائیے۔

فقیرا: حضور، مگر ــــ

احمد: اگر مگر میں کچھ نہیں جانتا، کہہ تو دیا کہ ایک اہم کام میں پھنسا ہوں تم چلے جاؤ۔

فقیرا: (دو ایک کتابیں اٹھاتا ہے پھر رکتا ہے) بہت خوب۔
احمد: خط شروع تو خوب ہوا ہے (پڑھتا ہے) میری پیاری ثریا۔
(فقیرا کتابیں واپس رکھتا ہے اور احمد بلند آواز سے) فقیرا تم کیا کر رہے ہو، آخر جاتے کیوں نہیں۔؟
فقیرا: میاں میں صرف یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کی کچھ چیزیں الگ کر دی ہیں۔ جو ——
احمد: بہت اچھا کیا۔ آپ کی بہت عنایت، مگر آپ یہاں سے تشریف لے جائیے۔
فقیرا: سرکار سب چیزیں ایسی ہیں جن کی حضور کو کوئی خاص ضرورت۔
احمد: سن لیا، سب لے لو، جو کچھ باقی رہ گئی ہیں وہ بھی لے لو۔ مگر خدا کے واسطے اس وقت میرا پیچھا چھوڑ دو۔ (فقیرا جاتا ہے۔ احمد غور سے پڑھتا ہے) میری پیاری ثریا۔
فقیرا: (دروازے سے) میں نے سنا نہیں حضور نے کیا کہا؟
احمد: حد ہو گئی۔ بھئی میں نے تمہیں نہیں بلایا۔ جائیے تشریف لے جائیے یہاں سے (فقیرا بائیں سے باہر جاتا ہے۔ خالد دائیں سے اندر آتا ہے بیس بائیس کا سن، حسین نوجوان ہے، ذرا شرمیلا خاموش سا۔ فاختئی اچکن اور پاجامہ پہنے) میری پیاری ثریا
خالد: (نرم آواز میں) میں نے کہا۔ (خالد آگے بڑھتا ہے)

احمد: (بغیر مڑے، غصّے سے قلم پٹک کر اُٹھتے ہوئے) فقیرا اگر تم یہاں سے دفع نہ ہوئے تو تمہاری خیریت نہیں (خالد کو دیکھ کر) ارے تم تھے۔ کیوں خالد یار خیر تو ہے؟

خالد: کوئی ایسی بات نہیں، میں تمہیں اِس وقت پریشان نہیں کروں گا تم بہت مصروف معلوم ہوتے ہو (جانے لگتا ہے)

احمد: نہیں نہیں خالد، تم کہو کیا بات ہے۔ دراصل وہ کم بخت فقیرا میرا ناک میں دم کر رہا تھا۔ آؤ بیٹھو۔

خالد: کیا کہہ رہا تھا فقیرا؟ (واپس آتے ہوئے)

احمد: کہتا کیا، بس جانتا ہے کہ میں یونیورسٹی چھوڑ کر جا رہا ہوں تو سب پُرانے کپڑے ہتھیانا چاہتا ہے۔ اور میں اِس وقت ایک بہت ضروری خط لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں (میز کی طرف بڑھتا ہے) معاف کرنا یار، آج طبیعت موزوں نہیں۔ دماغ کی ساری طنابیں کسی ہوئی ہیں (میز پر بیٹھ جاتا ہے)

خالد: کیا کہتے ہو یہاں اپنا بھی یہی حال ہے۔

احمد: کیوں؟

خالد: میں بھی ایک خط لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

احمد: خط! کسے؟

خالد: مس سبطین کو۔

خالد : (خوش ہو کر) شروع تو بہت اچھا ہوا، مگر ـــــــ بات یہ ہے کہ میں روکھا پھیکا سا خط نہیں لکھنا چاہتا اور یہ بھی نہیں چاہتا۔

احمد : کہ ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہو جائے۔

خالد : تو اس لئے میں نے یوں شروع کیا، میری پیاری نصرت اور اس سے آگے کچھ معاملہ بڑھ نہیں رہا۔ اب تمھارے پاس آیا ہوں کہ تم مشورہ دو کہ کیا لکھوں۔ تم تو بہت حاضر دماغ ہو۔

احمد : واقعی ؟

خالد : میرا حال تو تم جانتے ہی ہو کہ کس قدر جھینپو ہوں۔

احمد : اور تمہارے خیال میں میں جھینپو نہیں ؟

خالد : یار کوئی نسخہ تجویز کرو۔ (میز پر بیٹھ جاتا ہے)

احمد : (دائیں کو جا کر خود سے) خیال تو برا نہیں، میں اس کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہوں، شاید وہی میرے لئے بھی کارگر ثابت ہو جائے (ڈیسک پر بیٹھ کر قلم تھام کر) اچھا تو یہ بات ہے کہ تمھیں نصرت سبطین سے ہو گئی ہے محبت۔ اور تم یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ کوئی امید کی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو تم ـــــــ

خالد : بات ساری یہ ہے کہ وہ سب لوگ کل ہی کشمیر جا رہے ہیں۔

احمد : تو تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ جانے سے پہلے ملاقات کی کیا صورت ہوگی اور کہاں ، تمھارا نامہ بر یہ خط لے کر جائے گا اور جواب کا انتظار کرے گا۔ کہئے مرض کی تشخیص تو ٹھیک ہے ؟

خالد : سولہ آنے ٹھیک میرے یار۔

احمد : بہت خوب ، تو اب اِس مضمون کا خط لکھا جائے (لکھتا ہے) میری پیاری ثریا۔

خالد : (احمد کے پاس جا کر) نہیں ، نہیں یار ثریا نہیں نصرت۔

احمد : ہاں سچ تو ہے ، بے خیالی میں کیا کا کیا لکھ گیا (خط پھاڑتا ہے) ہوں! (سرسری انداز میں لکھتا ہے) میری پیاری نصرت ـــــ میری جان معاف کرنا ، میں تمھیں اِس قدر چاہتا ہوں ـــــ اِس قدر کے نیچے لکیر۔

خالد : (گھبرا کر) یہ تو بہت زیادہ ہو جائے گا۔

احمد : چپ رہو (لکھتا ہے) مجھے تم سے بے پناہ محبّت ہے۔ ـــــ بے پناہ کے نیچے لکیر۔

خالد : میں نے کہا یار (آگے آتا ہے)

احمد : (لکھتے ہوئے) اِس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ میں خط لکھ کر بتا دوں کہ صرف یہ چاہتا ہوں ـــــ

خالد : (میز پر بیٹھ کر) مگر میں اتنا صاف صاف یوں نہیں لکھ سکتا کہ میرا معاملہ اتنا سیدھا سادھا نہیں ۔ اِس میں ایک اُلجھن ہے۔

احمد : وہ کیا ہے ذرا ہم بھی سُنیں!۔
خالد : بھئی، میری ایک خالہ ہیں۔
احمد : بھلا یہ کیا بات کہی۔ بھلے آدمی خالائیں تو سبھی کی ہوتی ہیں
تمھاری خالہ میں کیا خاص بات ہے ؟
خالد : میرے خیال میں خالہ جان سے پوچھے بغیر مجھے اِس قسم کا
کوئی قدم نہیں اُٹھانا چاہیئے۔
احمد : تو اگر اِس معاملے میں خالہ یوں دخل انداز ہوں گی تو پھر
رہنے دو۔ ہو جائے گی بات جب یہ لوگ کشمیر سے لوٹ کر
آئیں گے۔
خالد : آخر کیوں ؟
احمد : بھائی اِن خالہ، پھوپھیوں سے خدا بچائے۔ اِن کا معاملہ
کچھ ایسا ہی بے ڈھب ہوتا ہے۔ جہاں اِن کا قدم
درمیان میں آیا وہیں طول پکڑ گئی بات۔
خالد : یہ تو وہ کہے جس نے برتا ہو خالہ پھوپھی کو، یہاں تو ہم
نے اپنی خالہ جان کو کبھی دیکھا تک نہیں۔
احمد : چلو معاف کیا تمہاری خالہ کو، اور ایمان کی پوچھو تو آج
تک تو بے چاری نے واقعی تمھارے کسی معاملے میں
دخل دیا نہیں۔
خالد : ہاں البتہ اتنا ضرور کیا کہ مجھے بے یار و مددگار دیکھ کر

دلّی اور علی گڑھ میں تعلیم دلوائی۔ اور ابھی ابھی مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ہندوستان آئی ہوئی ہیں اور آج دس بجے والی سے یہاں پہنچ رہی ہیں۔ دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھائیں گی۔

احمد: (کرسی کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے) خالد تم نے اپنی خالہ جان کو کبھی نہیں دیکھا!

خالد: کبھی نہیں! میرے بہت بچپن میں خالہ جان نے انڈونیشیا کے ایک بہت بڑے تاجر جعفر ششتر و مدینو سے شادی کر لی تھی اور ہمیشہ وہیں رہیں۔ مگر آج ہی اتفاق سے میں نے اخبار میں اُن کی تصویر دیکھی ہے۔ بیوہ ہونے کے بعد پہلی بار ہندوستان آ رہی ہیں (اخبار دینا ہے)۔

احمد: (اخبار پڑھتے ہوئے) بڑی تعریف لکھی ہے اِس اخبار میں تمہاری خالہ جان کی۔ لکھ پتی بیوی معلوم ہوتی ہیں۔

خالد: اور کیا لکھا ہے؟

احمد: لکھا ہے کہ عزیزوں میں بس ایک بھانجہ ہے جو علی گڑھ میں تعلیم پاتا ہے۔ پٹّھا ہے بڑا خوش قسمت۔

خالد: فدوی حاضر ہے۔

احمد: خالد بقسم خدا کی اِس سے اچھی خبر کوئی دوسری نہیں ہو سکتی تھی۔ (اخبار پھینک کر) تو اِس کا یہ مطلب ہوا کہ

بس تمہاری خالہ آتی ہی ہوں گی ۔ (گھڑی دیکھتا ہے)۔
خالد : اب تک تو کسی گاڑی سے اتریں نہیں ۔ کاش وہ آج
نہ آرہی ہوتیں ۔
احمد : (گھڑی دیکھ کر) میرے خیال میں بارہ والی سے پہنچیں
گی ۔ کیا بوریت ہے ۔ میں تو نصرت کو خط لکھنے کی کوشش
کررہا تھا ۔
احمد : (میز پر بیٹھ کر سوچتا ہے) کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کیا کروں ۔
خالد : بڑا ٹیڑھا معاملہ ہے یہ خط لکھنا ۔
احمد : کیوں ؟
خالد : جب تک خالہ جان کو ساری بات نہ معلوم ہو جائے کچھ بھی
نہیں ہو سکے گا ۔
احمد : (ایک دم سے خالد کی طرف بڑھتا ہے) یار ابھی ابھی بہت
اچھی سوجھی ہے ۔ درخشاں خیال اسی کو کہتے ہیں !
خالد : (احمد کو میز کی طرف ڈھکیل کر) احمد یار کیا کہنا ہے تمہارا
پھر جو سوجھی ہے ، وہ لکھ ڈالو تا میں اُس کی نقل کر کے نصرت
کو بھیج دوں گا ۔
احمد : نہیں یار تمہارے لئے نہیں اپنے لئے نہیں تمہارے
لئے اور اپنے دونوں کے لئے ۔ تم نصرت پر عاشق ہو
تو میں ثریا پر جان دیتا ہوں ۔

خالد : سچ کہو !

احمد : ایسی ویسی ! دیوانگی کی حد تک، بلکہ کچھ اس سے بھی بد تر
مجنوں بھی کیا یاد کرے گا۔ جب تم آئے تو میں اسی کو خط لکھ
رہا تھا۔

خالد : کسے ؟

احمد : مجنوں کو نہیں یار ثریّا کو (اشارہ کرتے ہوئے) یہ رہا خط۔

خالد : (جوش سے ہاتھ ملاتا ہے) "خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے
دو"۔ اچھا تو کیا خیال ہے پھر ؟

احمد : خطوط کو ڈالو بھاڑ میں ۔ ہم تمہاری خالہ کے اعزاز میں
دعوت کرتے ہیں اور کھانے کے بعد چائے باغ میں ہوگی۔

خالد : باغ میں !

احمد : ہاں ! میں کرلوں گا انتظام ۔

خالد : مگر یار میرے کمرے تو بہت چھوٹے چھوٹے ہیں ۔

احمد : کچھ پرواہ نہ کرو یار ۔ تم میرے کمرے لے لو (خالد کو میز کی
طرف دھکیلتے ہوئے) فقیرا کرے گا سب بندوبست (فقیرا کو
آواز دیتا ہے) فقیرا (خالد سے) چلو آؤ چل کر لڑکیوں
سے تو پوچھ لیں ۔

خالد : لڑکیوں سے ؟

احمد : ہاں ، ہاں ، انہیں تمہاری خالہ سے ملنے کے لئے بلائیں گے۔

خالد: اور خان بہادر سبطین کا کیا ہوگا؟
احمد: سبطین کو مارو گولی۔
خالد: ارے ہاں خوب یاد آیا وہ تو کسی کام سے دلی گئے ہوئے ہیں۔
احمد: چلو یہ پاپ تو کٹا (پکار کر) فقیرا۔
خالد: احمد تمہارے خیال میں وہ آجائیں گی؟
احمد: کیا بات کہتے ہو۔ ارے یار وہ "خود چلے آئیں گے نالوں میں اثر ہو نے تو دو" بھاگتی ہوئی آئیں گی بھاگتی ہوئی۔
خالد: تمہیں کیسے معلوم؟
احمد: ہاں یہ بھی ٹھیک کہتے ہو یار بھلا کیوں آئیں گی!
خالد: تو ایسا کریں ایک پرچہ بھیج دیں۔ تم لکھ ڈالو ذرا (خالد املا کی طرح لکھتا ہے)
احمد: میری پیاری مس سبطین (پکارتا ہے) فقیرا کہاں رہ گیا (فقیرا آکر خالد کے پاس کھڑا ہو جاتا ہے) کہاں ہو تم یار؟ (مڑتا ہے تو فقیرا کو دیکھتا ہے) ارے، فقیرا ذرا کسی سے کہو ایک پرچہ خان بہادر سبطین کے ہاں پہنچا دے۔
فقیرا: بہت خوب۔ (جاتا ہے)
خالد: اچھا اتنا تو لکھ لیا۔
احمد: (دراز میں سے لفافے نکالتا ہے) آپ اور مس حسین ——

(پاؤں دوسری کرسی پر رکھتا ہے پھر کچھ لکھتا ہے) ہماری عزّت افزائی فرمائیں۔

خالد: (لکھتے ہوئے دُہراتا ہے) عزّت افزائی ——

احمد: اور میرے اور مسٹر احمد سعید حیدر کے ساتھ لنچ کھائیں۔

خالد: لنچ کھائیں۔

احمد: لفافے پر پتہ میں لکھوں گا۔ (لکھتا ہے)

خالد: (دہراتے ہوئے لکھتا ہے) لفافے پر پتہ ——

احمد: بے وقوف یہ کاہے کو لکھ رہے ہو! یہ لکھو آفتاب ہوٹل میں ہمارے کمرے پر دن کے ایک بجے (لفافہ لکھتے ہوئے) مس سبطین۔

خالد: مس —— (لکھنے کو ہے)

احمد: نہیں یہ نہیں! میری خالہ جان —— کیا بتایا تھا نام تم نے؟

خالد: بیگم جعفر شستر و مدینو۔

احمد: بیگم —— تو لکھو پھر حاملِ رقعہ کے ہاتھ جواب بھیج کر مشکور فرمائیں۔

خالد: (لکھتے ہوئے) آپ کا مخلص خالد لطیف (روشنائی خشک کر کے خط تہہ کرتا ہے) واللہ غضب کا دماغ پایا ہے تم نے (خط احمد کو دیتا ہے)

احمد: (خط لے کر لفافے میں ڈالتا ہے، پھر اُسے بند کرتا ہے) بڑا نادر موقع ہے ملاقات کا۔ کل تو وہ لوگ کشمیر چلے جائیں گے۔

خالد: اور ہم اپنے گھر۔

احمد: آج بس ہم تم ہوں گے اور دونوں لڑکیاں۔

فقیرا: (اندر آتے ہوئے) چپراسی حاضر ہے۔

احمد: (خط دے کر) لو یہ اُسے دو اور کہو ہوشیاری سے جائے۔

فقیرا: بہت خوب (لفافہ پڑھتا ہے اور مسکراتا ہوا چلا جاتا ہے)

احمد: (واپس آکر چھٹے ہوئے خط اٹھا کر) بھلا ایسی باتیں کہیں خطوں میں طے ہوتی ہوں گی! (پرزے خالد کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے)

خالد: بس صرف لڑکیاں ہوں گی اور ہم ہوں گے۔

احمد: خالد! اگر تمہاری خالہ جان نہ آرہی ہوتیں تو ہم لڑکیوں کو ہرگز نہ بلا سکتے۔ مجھے تو ابھی سے تمہاری خالہ پر پیار آرہا ہے (پکار کر) فقیرا

فقیرا: (اندر آکر) حاضر۔

احمد: پانچ کے لئے لنچ۔

فقیرا: کتنے فرمایا حضور؟

احمد: پانچ۔

فقیرا: پانچ کے لئے سرکار۔؟ (چپکے سے ہنستا ہے)
احمد: تمہیں کس بات پر ہنسی آرہی ہے؟
فقیرا: میرے خیال میں پیسے تو سب خرچ ہو چکے ہیں۔
احمد: (فقیرا سے) یہ بات ہے؟ (خالد کی طرف مڑ کر) تمہارا کیا حال ہے یار؟
خالد: بات یہ ہے کہ میرے پاس بھی اس وقت کچھ نہیں۔
احمد: (فقیرا سے) کچھ پروا نہیں، حیدر علی خاں سے کہو انتظام کر دیں۔
فقیرا: میاں، حیدر علی خاں کے تو پہلے ہی بہت سے دام دینا ہیں
احمد: اچھا (مڑ کر خالد کی گھڑی کی چین دیکھتا ہے) خالد تم بُرا نہ مانو تو (گھڑی نکال کر) میرا چک آنے پر صاف ہو جائے گا حساب (گھڑی فقیرا کو دے کر) یہ لو نند ست اب دکھاؤ اپنا کمال، تم بھی کیا یاد کرو گے!
فقیرا: (گھڑی کو دیکھ کر) اونہہ ہونہہ! یہ بالکل بے کار ہے اِس پر تو چھدام بھی نہیں ملنے کی (واپس دے کر) حضور پریشان نہ ہوں میں حیدر علی خاں سے اپنے نام پر قرض لے لیتا ہوں۔
احمد: کیا کہنا ہے تمہارا شاباش بیٹا جیتے رہو۔ بس پانچ کے لئے لنچ ایک بجے۔

فقیرا : (اپنی سونے کی گھڑی میں وقت دیکھتا ہے) ذرا نوٹس کم ہے سرکار۔

احمد : ہم نے تم پر چھوڑا۔ جو جی چاہے کرو اور جس طرح جی چاہے کرو۔ مگر ایک بجے پانچ آدمیوں کا لنچ تیار ملنا چاہیئے (گھڑی جیب میں رکھ کر) ٹھیک ہے نا خالد!

خالد : (احمد سے) میں نے کہا احمد (گھڑی واپس لیتے ہوئے) یہ میری گھڑی ہے۔

احمد : معاف کرنا یار غلطی ہو گئی۔

خالد : نہیں کوئی حرج نہیں۔ (فقیرا جاتا ہے)

احمد : خالد تم جب اپنی خالہ کو کتب خانہ اور سر سیّد کا مزار دکھا رہے ہوگے تو میں ثریا سے باتیں کر لوں گا!

خالد : یہ سب تو ٹھیک ہے مگر میری اور نصرت کی بات کب اور کیسے ہوگی۔ احمد یار یہ خالہ جان بہت بے وقت آ رہی ہیں۔

احمد : ہاں سچ تو ہے تمہاری اور نصرت کی باتیں بھی تو ہونا چاہئیں۔

خالد : خالہ جان کے بہانے سے لڑکیاں تو ضرور آ جائیں گی، مگر اس خالہ کا آخر کیا ہوگا۔ مستقل طور پر کھٹکیں گی خالہ۔

احمد : بالکل جیسے کباب میں ہڈّی، نہیں اس سے بھی بد تر مکمّل وبالِ جان، اچھا خاصا قہر الٰہی۔ (میز پر بیٹھ کر ٹھڈّی کے نیچے ہاتھ رکھ لیتا ہے)

خالد: تو پھر کیا کریں۔ کوئی تدبیر بھی تو بتاؤ!
احمد: بھائی عاشقوں نے تو پہاڑ کاٹ کر رکھ دئے ہیں اور یہ تو معمولی بات ہے (چٹکی بجا کر) ابھی بتاتا ہوں ترکیب۔
خالد: میرے خیال میں ہم خالہ جان کا دل بہلانے کے لئے کسی کو بلالیں۔
احمد: خیال تو برا نہیں۔ مگر یار آدمی ہونا چاہیئے کوئی قابل اعتبار (فقیرا اندر آکر کمرہ درست کرتا ہے)
خالد: بھلا کون ہے ایسا؟
احمد: (فقیرا کو دیکھ کر) کپڑے وپڑے پہن کر یہ بھی ریڈر تو معلوم ہونے ہی لگیں گے۔
خالد: ہاں کچھ ایسے بُرے بھی نہیں۔
احمد: (فقیرا کی طرف دیکھ کر) نہیں یہ نہیں ہوسکتا، پھر کھانا کون کھلائے گا؟
خالد: یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔
احمد: اِس کام کے لئے بھلا ڈاکٹر سیّد محمد کیسے رہیں گے؟
خالد: وہ! جل ککڑے ہیں۔ (فقیرا باہر جاتا ہے)
احمد: (میز پر بیٹھ کر) دوسرے وہ خالہ جان کو منہ بھی نہیں لگائیں گے۔
خالد: اور لڑکیوں پر نظر کرم فرمانے لگیں گے۔

احمد : (ایک دم سے) قسم خدا کی، آگیا سمجھ میں خالد ایسا نام سوجھا ہے کہ پھڑک جاؤ گے، بابا خاں، چلو اُس سے پوچھیں چل کر۔

خالد : واللہ بہت مناسب، نہ جانے ہمیں یہ نام پہلے کیوں نہیں سوجھا!

احمد : خوب باغ و بہار آدمی ہے۔ ہزار ڈھنگ سے تمہاری خالہ کا دل بہلائے گا۔

خالد : (احمد کے قریب آکر) کیا کہنا ہے اُستاد تمہاری فراست کا دماغ ہو تو ایسا ہو۔

احمد : فقیرا! (فقیرا اندر آتا ہے)

فقیرا : حضور۔

احمد : دیکھنا، تو ذرا لپک کر نواب زادہ حبیب احمد خاں کے کمرے تک چلے جاؤ، اُن سے کہنا، آپ کو بُلایا ہے۔

فقیرا : بہت خوب۔ (جاتا ہے)

خالد : (فقیرا کے پیچھے جاتے ہوئے) کہنا ضروری کام ہے۔

فقیرا : (باہر سے) بہت خوب۔

احمد : (چیختے ہوئے) کہنا، بے حد ضروری کام ہے۔

فقیرا : (باہر سے) بہت خوب۔

احمد : (واپس آتے ہوئے) جتنے بابا خاں تمہاری خالہ جان کا دل بہلائے گا۔ اُتنے ہم دونوں لڑکیوں سے باتیں کرلیں گے۔

خالد : (میز پر بیٹھ کر) میں نے کہا یار تم نے ابھی بابا خان کی شگفتگی کا ذکر کیا تو خیال آیا کہ تم نے پچھلے دنوں سے اُس میں کچھ فرق نہیں پایا۔ جب سے وہ بمبئی سے واپس لوٹا ہے اُس کے مزاج میں وہ شوخی اور چلبلا پن نہیں رہا!

احمد : ہاں، ذرا ان دنوں وہ کچھ پیسے کی طرف سے پریشان ہے۔ (بیٹھ جاتا ہے)

خالد : مجھے تو اُس کی باتوں سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ اُسے کسی سے عشق ہو گیا ہے۔

احمد : بابا خاں اور عشق! دُور کی کوڑی ہے۔

خالد : یقین مانو میں سچ کہہ رہا ہوں میرے خیال میں تو وہ واقعی کسی کو دل دے بیٹھا ہے۔

احمد : تو یار دل تو ہم بھی دیے بیٹھے ہیں۔ اور اگر اُس کا بھی وہی حال ہے جو اپنا ہے تو وہ جی جان ایک کر کے خالہ جان کو اپنی باتوں میں لگائے رکھے گا۔

خالد : منہ پر کہنا تو خوشامد ہوگی، مگر احمد واللہ تم ایک نہ ایک دن ہندوستان کے وزیر اعظم بن کر رہو گے۔ (فقیرا آتا ہے)

فقیرا : نواب زادہ صاحب نے آداب کہا ہے اور کہا ہے کہ میرے ہاں دوپہر کے کھانے پر کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ اِس وقت نہ آ سکوں گا اور آپ کے ہاں کے چینی کے برتن

منگوائے ہیں۔

احمد: جی ہاں، اور ہم خود کھائیں گے پتّوں میں! خوب کہی۔

خالد: آخر اِس بابا خاں کے ہاں آ کون رہا ہے؟

احمد: (غصّے میں) اجی باجی نے بلائے ہوں گے اپنی ہی طرح کے دو چار احمق راج کمار وغیرہ۔ اور اب سارا دن بے ہودہ لوک گیت گا گا کر محلّے بھر کا ناک میں دم کرے گا۔

خالد: مگر یار ہمارا تو بنا بنایا کھیل بگڑا جا رہا ہے!

احمد: بگڑ چکا۔ تم دیکھتے جاؤ کیا کرتا ہوں (غصّے میں) بگاڑ کر تو دیکھے باجی۔ (فقیرا سے) سُنو اب کھانے پر چھ آدمی ہوں گے چھ۔

فقیرا: بہت خوب میاں۔ (کتابیں وغیرہ درست کرتا ہے)

خالد: اب کیا ہو گا؟ (احمد کی طرف جاتا ہے)

احمد: (خالد کو دروازے کی طرف لے جاتا ہے) چلو میرے ساتھ چلو ہم دونوں جا کر بابا خاں کو لائیں گے۔ دیکھوں تو کیسے بگاڑتا ہے بنا بنایا کھیل خود غرض کہیں کا۔ (فقیرا سے) ذرا برتن اچھّی طرح صاف کر لینا میز لگا لینا اور ہاں کمرہ بھی ٹھیک ٹھاک کر لینا۔ چلو خالد (خالد کو دھکیلتا ہے دونوں باہر چلے جاتے ہیں)

فقیرا: (غصّے سے) ایک بجے تک کمرہ ٹھیک کر لو، برتن دھولو،

میز لگا ہو۔ بیراگیری نہ ہوئی جادوگری ہوگئی۔ سلاناک میں دم کرتے ہیں (کتابیں ٹھیک کرتا ہے کھڑکی کھولتا ہے) معلوم ہوتا ہے مستقل گاڑی چھوٹی جا رہی ہے۔ جس وقت دیکھو ہوا کے گھوڑے پر سوار ہر کام گھڑی کی چوتھائی میں ہونا چاہیے اور جب بل ادا کرنے کا وقت آتا ہے تو سانپ سونگھ جاتا ہے ان سب کو۔ (جاتا ہے)

نواب زادہ : (باہر سے) احمد، احمد، کہاں ہو یار! (دبلا پتلا نوجوان ہے خوب صورت ہنستا ہوا چہرہ خوش پوش ہے اس وقت ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ پہنے ہے۔ صرف کوٹ اتار کر امراؤ جان ادا کے کپڑے پہن لیتا ہے۔ مگر زنانے کپڑے پہن کر چلتا پھرتا مردوں کی طرح ہے، کبھی آواز بھینچ کر بات کرتا ہے۔ جب بھول جاتا ہے تو اپنی آواز میں بولنے لگتا ہے نواب زادہ کھڑکی میں سے دکھائی دیتا ہے۔ ہاتھ میں چھوٹا سا اٹیچی کیس ہے)

نواب زادہ : (کھڑکی میں سے اندر آکر) کہاں غارت ہو گئے یار! (جلدی سے دوسرے کمرے میں جھانکتا ہے) میں کچھ برتن لینے آیا تھا نہ جانے کہاں رکھے ہوں گے (جا کر الماری کھول کر دیکھتا ہے) یہاں تو صرف انڈے کا حلوہ رکھا ہے (پیالہ لا کر میز پر رکھتا ہے، پاس ہی برتن رکھے ہیں) اور یہ رہے

برتن (حلوے کا پیالہ اور برتن اٹیچی کیس میں رکھ لیتا ہے۔)
اپنا کام تو بن گیا۔ نواب زادہ دائیں جانب سے جانے لگتا ہے۔ خالد اور احمد بائیں دروازے سے اندر آتے ہیں۔ نواب زادے کو واپس لاتے ہیں۔ خالد دایاں بازو اور احمد بایاں بازو تھامے ہے)۔

احمد: ہیلو بابا خان! (اٹیچی کیس لے کر بیچ میز پر رکھ دیتا ہے) تمہارے ہی کمرے سے آ رہے ہیں۔ ہم دونوں تمہاری باتیں کر رہے تھے۔

نواب زادہ: (بیچ اسٹیج پر آ کر) واقعی۔ آخر میرا ذکر خیر کیوں؟

احمد: بس یوں ہی کہ بڑے چھیلے بنے پھر رہے ہو آج۔

نواب زادہ: اچھا ہے سوٹ!

احمد: بہت اچھا، نہایت اچھا۔

نواب زادہ: واقعی، تو خدا حافظ۔ (اٹیچی کیس اٹھا کر جانے لگتا ہے) خدا حافظ (احمد کیس لے کر بیچ کی میز پر رکھتا ہے)

احمد: بابا خان کیوں جا رہے ہو؟ تم تو کسی کام سے آئے تھے نا؟

نواب زادہ: (تینوں بیچ اسٹیج آتے ہیں) ہاں میں کچھ برتن لینے آیا تھا، مگر ——

احمد: یار معاف کرنا، آج نہ دے سکوں گا برتن۔

نواب زادہ: خیر! تو کوئی بات نہیں، اچھا خدا حافظ (جانے لگتا ہے،

خالد اور احمد اُس پر لپکتے ہیں۔ مگر میز پر رکھے ہوئے کیس پر گر پڑتے ہیں۔ نواب زادہ ہنستا ہے)

احمد : بابا خاں آج دوپہر کا کھانا یہیں کھالو نا!

نواب زادہ :۔ آج نہیں یار۔ آج تو میرے اُستاد آرہے ہیں، اور کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔

احمد : (مذاق اُڑاکر) یار اتنی محنت نہ کیا کرو۔ تم آج کل بہت دُبلے ہو رہے ہو۔

نوابزادہ : (احمد سے) کیا واقعی (خالد سے) تم بتاؤ؟

خالد : میں خود ابھی یہی بات تو احمد سے کہہ رہا تھا۔

نواب زادہ : تو کیا تمہارے خیال میں میری حالت خطرناک ہے؟

احمد : تمہیں کاہے کی فکر ہے۔ تم جیسے مرتے مراتے نہیں، مگر تمہیں اِس قدر محنت نہیں کرنا چاہیئے۔ لوٹ پوٹ کر ایک نہ ایک دن نواب تو تم بن ہی جاؤ گے۔

نواب زادہ : کہاں رکھی ہے نوابی، میرا خاندان تو ہمیشہ فوج میں پشت ہا پشت رہا ہے

احمد : مگر اُنہوں نے پڑھ پڑھ کر جان نہیں گنوائی ہوگی۔

نواب زادہ : مجھے تو کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوگا۔

احمد : بےشک تو کھانا یہیں کھالو، خالد کی خالہ کھانے پر آرہی ہیں۔

نواب زادہ : کیا سچ مچ خالد کی خالہ آرہی ہیں۔ اِس وقت ہم سب
کو پیسے کی اشد ضرورت ہے اور کسی خالہ کا بھی ایسے وقت
آنا فالِ نیک ہے (خالد کی گھڑی نکالتے ہوئے) اور پھر
خالد کی خالہ تو واقعی رحمتِ الٰہی بن کر آئیں گی (سب ہنستے
ہیں۔ نواب زادہ کو اِدھر سے اُدھر دھکیلتے ہیں۔ خالد اپنی
گھڑی واپس لے لیتا ہے)
احمد : بات یہ ہے کہ اس وقت تم ہی جیسے باغ و بہار شگفتہ،
چرب زبان اور سجیلے آدمی کی ضرورت ہے (نواب زادہ کو
گھما کر اپنے سامنے کھڑا کر لیتا ہے)
خالد : بابا خاں، احمد بالکل سچ کہہ رہا ہے (بابا خاں کو اپنی
طرف گھما کر)
احمد : (بابا خاں کو اپنی طرف گھما کر) ایک نہایت دل کش خاتون
کا دل بہلانے کے لیے حضرت!
نواب زادہ : وہ کون خاتون ہیں ؟
احمد : ارے میاں خالد کی خالہ ۔
نواب زادہ : دیکھنے میں کیسی ہیں وہ ؟
خالد : مجھے کچھ اچھی طرح معلوم نہیں ۔ بات یہ ہے کہ میں خود
بھی آج اُن سے پہلی بار مل رہا ہوں۔
نواب زادہ : خالد یار ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی بڑھیا کھوسٹ سی

عورت ہو (بیٹھ جاتا ہے) ہم تو مر لیں گے۔

احمد : دیکھو بابا خاں پہلی بات یہ ہے کہ وہ لکھ پتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ بیوہ ہیں، کیا یہ کافی نہیں؟

نواب زادہ : بہت سی خوبیوں کی حامل ہیں (خالد سے) یار ہمارا نام بھی اپنی خالہ جان کے اُمیدواروں میں لکھ لو۔ ہم بھی قسمت آزمائی کریں گے۔

احمد : اِسی لئے تو ہم نے ڈاکٹر سید محمد کو نہیں بلایا۔ کیوں یہی بات ہے نا خالد؟

خالد : بالکل یہی بات۔

نواب زادہ : اِس کے علاوہ آدمی بھی بہت بیہودہ ہے۔ مگر یار میرے خیال میں، تو اُسی کو بلا لو وہ اچھا رہے گا۔ مجھے بہت کام ہے۔ دوسرے تم نے نام کیا بتایا تھا۔ اپنی خالہ کا؟

خالد : (وضاحت سے) بیگم ششتر و مدینو۔

نواب زادہ : (جلدی سے کھڑے ہو کر) بیگم ششتر مدینہ نہیں بھئی، یہ روگ میرے بس کا نہ ہوگا۔ (اٹیچی کیس اُٹھا کر بھاگنے لگتا ہے) خدا حافظ (احمد اور خالد پکڑ کر واپس لاتے ہیں۔ وہ میز پر اوندھے منہ گر پڑتا ہے مگر اٹیچی کیس کو نہیں چھوڑتا اُسے میز پر رکھ دیتا ہے)

احمد : دیکھئے حضرت بھاگنے کی کوشش بالکل بے کار ہے۔ تم کھانے پر رُک کر تو دیکھو۔ خالد کی خالہ بہت دل چسپ بڑھیا ہیں۔

نواب زادہ : بڑھیا دل چسپ کیسے ہو سکتی ہے۔ یار کوئی کم عمر لڑکی آ رہی ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔

خالد : وہ بھی ہے۔ دو نہایت حسین اور جوان خواتین بھی آئیں گی

نواب زادہ : حسین، جوان!

خالد : جی اور کیا!

نواب زادہ : اما، یہ کہی تم نے میرے دل کی بات، کتنی کہا تم نے ؟

احمد : دو۔

نواب زادہ : (انگلیوں سے) صرف دو! کیا خوب! تم دونوں کے حصّے کی دو حسین اور جوان چھوکریاں اور بندے کی تقدیر میں کھوسٹ بڑھیا جی نہیں۔ بخشئے چوہا لنڈورا ہی بھلا (گھر کی میں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایچ کیس کو مضبوطی سے پکڑے ہے احمد اور خالد اُسے گھسیٹ کر واپس لاتے ہیں)

احمد : (نواب زادہ کے بائیں کو آ کر) سنئے حضرت معاملہ ہے بہت اہم اور بے حد پیچیدہ۔

نواب زادہ : ظاہر ہے، جہاں کہیں کسی بڑھیا کا دخل ہو گا وہاں

اچھا خاصا معاملہ خود ہی بہت اہم اور نہایت پیچیدہ ہو جائے گا۔

خالد: (نواب زادہ کے دائیں کو آکر) دیکھو بابا خاں اِس وقت ہماری عزّت تمہارے ہاتھ ہے اور ہمیں تمہاری دوست نوازی سے اُمید ہے کہ تم ہم دونوں کی مشکل کشائی کروگے۔

احمد: یوں تو کرنے کو کوئی بھی یہ کام کر سکتا ہے مگر بھئی ہم کو کسی دوسرے پر اعتبار کا ہے کو ہونے لگا!

نواب زادہ: (طنزاً) دریں چہ شک، بجا فرمایا جناب نے!

احمد: دیکھو دوست ہم تم سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ اصل میں ہم دونوں کو عشق ہو گیا ہے۔

نواب زادہ: (کان پر ہاتھ رکھ کر) کیا کہا عشق - ذرا پھر کہنا۔ تمہیں اور خالد کو بھی۔ جی ذرا ہوش میں رہیئے۔ ہٹو کام کی بات کرو۔ (خالد کو دھکا دیتا ہے۔ میز پر بیٹھ جاتا ہے)

احمد: احمد یار تم مذاق سمجھ رہے ہو، یہاں دم پر بنی ہے۔ اصلی روگ ہے اصلی۔ اور بہت تشویش ناک (ڈیسک پر بیٹھ جاتا ہے)

خالد: (جذبے سے) ہائے بابا خاں، اگر تم اُن لڑکیوں کو دیکھ پاؤ تو تمہیں یقین ہی نہیں بلکہ ہم دونوں کی حالت پر رحم آنے لگے۔

احمد: اور وہی دونوں کھلنے پر آ رہی ہیں۔

نواب زادہ : (دونوں کو باری باری دیکھ کر) کیا تم لوگوں نے شادی کا پیام دے دیا ہے؟

احمد : افسوس، بس یہی تو نہیں کیا۔

نواب زادہ : تو پھر تم یہ چاہتے ہو کہ پیام تمہاری طرف سے میں دوں؟

احمد : جی بخشیئے، پیام ہم خود دیں گے۔ اسی لیئے تو دونوں کو بلایا ہے۔

خالد : تم اپنے دماغ پر زور مت ڈالو یہ سب باتیں تمہاری سمجھ سے بالاتر ہیں کیونکہ تمہیں کسی سے عشق ———

نواب زادہ : ہونہہ، میں سمجھا نہیں! آپ کے خیال میں مجھے کسی سے (کھڑا ہو جاتا ہے) ار—— (دونوں کو قریب بلا کر نہایت سنجیدگی سے) کیا پچھلے چند دنوں سے تم نے یہ نہیں دیکھا کہ میں کس قدر غمگین رہا رہتا ہوں؟

خالد : ہاں یار یہ تو تم سچ کہہ رہے ہو، ایسا تو بیشک ہے۔

احمد : تو بات کیا ہے بتاتے کیوں نہیں؟

نواب زادہ : میرے خیال میں میں بھی تمہاری طرح عاشق ہو گیا ہوں۔

خالد : تمہیں یہ وہم کیسے ہوا؟

نواب زادہ : کچھ نہیں، بس طبیعت تنہائی پسند ہو گئی ہے۔ جی چاہتا ہے گھنٹوں چپکا بیٹھا رہوں اور کہیں دور پرندے اپنے

نغمے سُنا رہے ہوں۔ (جھینپ کر) یار کچھ شاعر سا ہوتا جاتا ہوں۔ پھر پہروں نیند نہیں آتی اور وزن دن بدن گرتا جا رہا ہے۔

احمد: علامتیں تو اُسی مرض کی ہیں۔ ذرا بیٹھ کر تفصیل تو بیان کرو۔

نواب زادہ: (بیٹھ جاتا ہے) تمہیں یاد ہے نا جب میں پچھلی دفعہ امتحان میں رہ گیا تھا؟

احمد: ہاں! ہمیں سب کو سخت حیرت ہوئی تھی۔

نواب زادہ: نہیں یار اُس دفعہ نہیں۔ اُس سے پہلی بار جب میں بیمار ہو گیا تھا۔ اور مجھے اچانک علاج کی خاطر بمبئی جانا پڑا تھا۔ وہاں جُہو میں ایک صاحب سے ملا جو بہت پریشان حال تھے اور خودکشی کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ شریف حسن نام تھا، بھوپال کے جاگیردار تھے۔ مگر ٹوٹے پھوٹے۔

احمد: گھڑدوڑ میں ہار گئے ہوں گے حضرت!

نواب زادہ: ہاں کچھ یہی بات تھی۔ اُن کی ایک حسین بیٹی تھی جیسے پھول کی پنکھڑی، بس یار اُس پر ہم دم دینے لگے، اور روز اُس کے باپ کا دل بہلانے کی خاطر ہم اُن سے گھنٹوں تاش کھیلتے تھے۔

خالد: پھر کیا ہوا!؟

نواب زادہ: بے چارے دل کی حرکت بند ہو جانے سے اچانک

انتقال کر گئے۔

احمد : اور بے چاری لڑکی، اُس پھول کی پنکھڑی پر کیا بیتی؟

نواب زادہ : انہیں دنوں جو ہوٹل میں ایک رئیس عورت ٹھہری ہوئی تھی۔ لڑکی کو بے یار و مددگار نہ دیکھ کر اپنے ہاں لے گئی۔ میں نے ہزار چاہا کہ میں لڑکی سے ایک بار اپنے دل کا حال کہوں مگر بے کار۔ پھر نہ جانے وہ لڑکی اور رئیس عورت کدھر کو چلی گئیں!

احمد : اور تمہارے دل کی بات دل ہی میں رہ گئی!

نواب زادہ : میرے خیال میں اگر میں لاکھ کوشش بھی کرتا تو کچھ کہتے بن نہ پڑتی۔ وہ غریب اُن دنوں غم زدہ اس قدر تھی۔

احمد : غالباً کوشش کرنے پر تمہیں ایسا معلوم ہوتا ہوگا جیسے کسی نے تمہارے ہونٹ سی کر اُن پر مہر لگا دی ہے اور سارا کا سارا کرۂ ارض اپنے محور سے ہٹ کر کہیں اور پہنچ گیا ہے۔ اور تم سر کے بل کھڑے ہو۔

نواب زادہ : ہاں کچھ یہ بھی تھا، مگر اصل میں مجھے یہ ڈر تھا کہ اگر اُس نے نا کر دی تو کیا ہوگا۔ بے کار بے وقوف بنوں گا۔

احمد : خیر، کچھ بھی ہو تمہیں کم از کم ہم سے ہمدردی تو ہوگی اِس وقت (بائیں طرف دستک) چپراسی جواب لایا ہے (فقیرا دائیں سے آ کر بائیں کو جاتا ہے۔ نواب زادہ خالد اور احمد تینوں لپکتے ہیں

فقیر ہاتھ میں خط لئے اندر آتا ہے۔ احمد کو دیتا ہے۔ احمد خط کھول کر پڑھتا ہے) وہ آرہی ہیں۔ (احمد جب خط کھولتا ہے تو خالد اور نواب زادہ اُچک اُچک کر کندھے کے اوپر سے خط پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نواب زادہ خط لے لیتا ہے)

نواب زادہ : (پڑھ کر) قسم قرآن کی —— (خالد خط چھین لیتا ہے۔ نواب زادہ خالی ہاتھ کو گھورتا ہے گویا اب بھی خط تھامے ہے)

احمد : اب تو رک جاؤ بابا خاں۔

نواب زادہ : (بات بناتے ہوئے) میں نے کہا یار (کپڑوں کی طرف دیکھ کر) میرا حلیہ تو دیکھنا۔

احمد : کیوں بہت اچھا ہے حلیہ۔ اب تم ہمارے قبضے میں ہو اب تمہیں نہیں جانے دیں گے۔

نواب زادہ : دیکھو مجھے زِچ نہ کرو۔ مجھے ایک نہایت ضروری کام ہے۔

احمد : آخر ایسا کون سا کام ہے جو ٹل نہیں سکتا؟

نواب زادہ : مجھے ایک ڈرامے میں کام کرنا ہے۔

احمد : پھر وہی الجھن۔ اب کے تم امتحان میں پھر لڑھک جاؤ گے، کیوں خالد ٹھیک ہے نا؟

نواب زادہ: مگر میں زبان دے چکا ہوں۔
احمد: آخر کیا پارٹ ہے ہم تو سُنیں۔
نواب زادہ: عورت کا ____ طوائف کا ____ امراؤ جان ادا لکھنؤ والی کا پارٹ اور طرّہ یہ کہ اِس سے پہلے کبھی ایکٹنگ نہیں کی۔
احمد: تم تو کہہ رہے تھے تمہارے اُستاد کھلنے پر آ رہے ہیں۔
نواب زادہ: اُن کے آنے سے پہلے ہی زنانے کپڑے پہن کر دیکھتا۔
احمد: نہیں پہن لو نہ ہم بھی دیکھیں گے، کہاں ہیں کپڑے؟
نواب زادہ: میرے کمرے میں پلنگ پر تو لئے میں لپٹے رکھے ہیں۔
احمد: (فقیرا سے جو کمرہ درست کر رہا ہے) ذرا جانا جلدی سے اِن کے کپڑے تو لے آنا۔ (فقیرا جاتا ہے۔ خالد کھڑکی کے پاس ہے)
نواب زادہ: نہیں، نہیں میں ابھی لایا۔ اِسی کیس میں رکھ کر ڈاچی کیس لے کر بھاگتا ہے)
احمد: پاجی (اُسے روکتا ہے، دونوں کیس پر جھگڑتے ہیں۔ احمد کیس چھین کر میز پر ٹپک دیتا ہے، نواب زادہ اُسے نہایت احتیاط سے اُٹھاتا ہے، پھر ذرا دُور جا کر اُسے کھنکھناتا ہے، ہاتھ پھیر کر دیکھتا ہے، پھر دھیرے سے کرسی پر رکھ دیتا ہے، احمد اور خالد اُس کی اِس حرکت کو نہیں دیکھتے، پان بنا کر

کھاتے ہیں)

خالد : بابا خاں تم کیسے دوست ہو کہ تمہیں ہماری حالت پر رحم نہیں آتا ؟

نواب زادہ : آتا کیوں نہیں، مگر میرا بھی تو دل چاہتا ہے کہ میں بھی اپنی دوست کو ایک نظر دیکھ پاؤں۔

احمد : (نواب زادہ کو پان دیتا ہے) اگر تمہارا عشق صادق ہے تو وہ ایک نہ ایک دن ضرور جلوہ نما ہوگی۔ کیا نام بتایا تھا تم نے اُس کا ؟

نواب زادہ : پورا نام تو مجھے معلوم نہیں، پکارنے کا نام رُخ ہے۔

احمد : تو پھر مس شریف حسن سہی۔

فقیرا : (اندر آتا ہے) نواب زادہ صاحب کپڑے حاضر ہیں (بنڈل بڑھاتا ہے)

نواب زادہ : (بنڈل لیتے ہوئے) فقیرا تم بہت خوب آدمی ہو شکریہ (احمد کے پاس جاکر) یار دو روپے تو نہیں ہوں گے تمہارے پاس؟ (بنڈل کھڑکی کے پاس رکھ کر)

احمد : (جیبیں ٹٹولنے کے بعد خالد سے) خالد تمہارے پاس ہوں گے دو روپے ؟

خالد : (جیبوں کے استر باہر نکالتے ہوئے) پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔

احمد : (فقیرا کے قریب جاکر) فقیرا ذرا دو روپے تو دینا۔

فقیرا: بہت خوب (جیب میں سے بہت سی ریز گاری نکالتا ہے، روپے دیتا ہے)

احمد: بابا خاں (نواب زادہ کے قریب آکر) یہ لو۔

نواب زادہ: شکریہ (فقیرا سے) یہ لو انعام۔

احمد اور خالد ہنسی سے لوٹ جاتے ہیں اور کرسیوں پر گر جاتے ہیں۔ نواب زادہ حیرت سے دیکھتا ہے پھر کچھ سمجھ جاتا ہے احمد نواب زادہ کے کان میں کچھ کہتا ہے نواب زادہ ہنسی کے مارے بے حال ہو جاتا ہے۔ فقیرا اٹیچی کیس اٹھا کر ایک طرف کو رکھتا ہے اور باہر چلا جاتا ہے۔

احمد: (بنڈل کی طرف اشارہ کر کے) کیا ہے اس کے اندر؟

نواب زادہ: کھلونے۔

خالد: کھلونے! (کرسی پر بیٹھ جاتا ہے)

احمد: دیکھیں تو۔

نواب زادہ: (مسکراتے ہوئے) نہیں یار زنانے کپڑے ہیں۔ جب کھانے کے بعد تم لوگ باغ واغ میں جاؤ گے تو میں اس وقت انہیں پہن کر دیکھوں گا۔

احمد: یہ کیسے ممکن ہے اسی وقت تو تمہاری ضرورت ہو گی۔ ابھی جو پہن کر دیکھ لو۔ کوئی بہت دیر تھوڑے ہی لگے گی۔

نواب زادہ: ہاں بس دو تین منٹ (بنڈل اٹھا کر بائیں کندھے

پر رکھتا ہے) اب کے تھیٹر کے فراق میں بہت وقت ضائع ہوگیا۔ (جاتے ہوئے) اب یہ طے ہے کہ چھٹیوں کے بعد پڑھائی پر پل پڑوں گا اور کھیل تماشے سب بند (باہر جاتا ہے احمد کھڑکی کی طرف جاتا ہے)

ثریا: (باہر سے) یہ لکھا ہے اُن کا نام۔

نصرت: (باہر سے) ہاں یہی ہے "احمد سعید حیدر"، پتہ نہیں کمرے میں ہیں بھی یا نہیں!

احمد: (دستک) خالد یو لڑکیاں تو آ بھی گئیں۔ اور تمہاری خالہ کا کہیں پتہ نہیں (جلدی جلدی فلم اسٹاروں کی تصویریں لوٹ دیتا ہے، کپڑے درست کرتا ہے۔ بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ بیچ اسٹیج پر آتا ہے)

خالد: (اُٹھ کر احمد کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے) مار ڈالا یار۔ اب بتاؤ کیا ہوگا! (شیشے میں اپنی صورت دیکھتا ہے۔ فقیرا دائیں سے اندر آتا ہے اور بائیں کو جا کر دروازہ کھولتا ہے)

احمد: کوئی فکر نہیں آنے دو، ہم سمجھا دیں گے۔ (نصرت اور ثریا اندر آتی ہیں۔ فقیرا دروازہ بند کرتا ہے۔ چیزیں درست کرتا ہے چلا جاتا ہے)

احمد: (ہاتھ ملاتے ہوئے ثریا سے) کیسے مزاج ہیں؟

خالد: (نصرت سے ہاتھ ملاتے ہوئے) آپ نے بڑی زحمت

فرمائی۔

ثریا: ہمیں تو یہاں آنے کی بہت خوشی تھی (خالد نصرت کے پاس جاتا ہے) کیوں ٹھیک ہے نہ نصرت؟

نصرت: ہاں ہاں (خالد سے)، خالد لطیف صاحب شاید ہم وقت سے کچھ پہلے آ گئے؟

خالد: جی نہیں ہرگز نہیں! (سب میز کی طرف بڑھتے ہیں خالد سٹپٹایا ہوا ہے۔ کرسی پر بیٹھنے لگتا ہے پھر گھبرا کر نصرت کو پیش کرتا ہے، وہ اس پر بیٹھ جاتی ہے)

ثریا: حیدر صاحب آپ نے خط میں وقت نہیں لکھا تھا (ثریا دوسری کرسی پر بیٹھتی ہے)

احمد: (گھبرایا ہوا ہے) ہمیں تو —— جی ہاں —— یہ تو بڑی خوشی کا مقام ہے۔ (گھڑی کو دیکھ کر) ابھی آتی ہی ہوں گی وہ۔

(نواب زادہ کوٹ اتارے قمیض پہنے اندر آتا ہے لڑکیاں اسے نہیں دیکھتیں۔ اُن کی پشت ہے۔ وہ بھاگ لیتا ہے۔ احمد اور خالد اسے دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

ثریا: (بیٹھے ہی بیٹھے) اچھا تو یہ جگہ ہے جہاں بیٹھ کر آپ پڑھنے لکھنے کا کام کرتے ہیں؟

احمد: جی ہاں سب ایسے ایسے کام ہم یہیں کرتے ہیں (بیٹھتا ہے)
ثریا: بڑے اچھے کمرے ہیں آپ لوگوں کے۔ (احمد اور ثریا گفتگو کرتے ہیں)

خالد: (نصرت سے) خدا کا شکر ہے کہ آج آپ یہاں آسکیں کل تو آپ لوگ کشمیر چلے جائیں گے۔ آپ ہمیں بہت یاد آئیں گی۔

نصرت: ابّا ہر سال کشمیر جاتے ہیں اور بہت ہی خاموش سی جگہ مکان لے کر رہتے ہیں۔ ہمارا اِس قدر جی گھبراتا ہے کہ ہم آپ کو کیا بتائیں۔

خالد: کیوں، وہ ایسا کیوں کرتے ہیں ؟

نصرت: معلوم نہیں۔

خالد: خاموش سے مقام پر واقعی آپ کا بہت جی گھبراتا ہو گا !

نصرت: بھلا ہمارے کشمیر جانے کا آپ کو کیوں افسوس ہے؟

خالد: یوں کہ میرا اور احمد کا سارا پروگرام درہم برہم ہو جائے گا۔ ہم چاہتے تھے کہ آپ یہیں رہتیں تو ہم آپ سے روز ملتے۔

نصرت: بڑی خیریت گزری کہ آج ابّا دلّی چلے گئے ورنہ تو ہم ہرگز نہ آ سکتے۔

خالد: کیوں ؟

نصرت: بس یوں ہی، اُنہیں وہم سا ہو جاتا ہے۔ ذرا سنکی سے ہیں۔ ہمارے ابا جان، اور ثریا بہن کو تو وہ روئی کے گالوں میں لپیٹ کر رکھتے ہیں۔ بہت سینت سینت کر۔

خالد: یہ کیوں؟

نصرت: ثریا ٹھہریں رئیس زادی اور ابا ہیں اُن کے سرپرست اور نگراں (دونوں گفتگو کرتے ہیں)

احمد: (جذبات کے ساتھ) مس حسین دعوت کی شام تو آپ نہیں بھولیں؟ کم از کم میں تو تمام عمر نہیں بھول سکتا۔

ثریا: نہیں؟

احمد: ہرگز نہیں۔ باغ میں بس آپ تھیں اور میں۔ وہ میری زندگی کے خوش گوار ترین لمحے تھے۔ کیسی حسین چاندنی چھٹکی ہوئی تھی چاندنی بہت جذباتی بنا دیتی ہے انسان کو۔

ثریا: نہ جانے کتنے ہزار لوگ یہی بات کہتے ہوں گے۔

احمد: کتنی سنگ دل ہو تم ثریا!

ثریا: جی میں جانتی ہوں کہ میں سنگ دل ہوں۔ مگر اس وقت میں ایک شخص کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔

احمد: وہ کون خوش قسمت ہے؟

ثریا: میرے سرپرست —— خان بہادر سبطین صاحب، بی نصرت کے سوتیلے ابا جان۔ جہاں اُنہوں نے دیکھا کہ ہمیں کسی سے

ذرا دلچسپی ہوئی وہیں وہ کھنچ کر ہمیں میلوں دور لے گئے
بس اُنہیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ ___

احمد: کیا ڈر ؟

ثریا: (چھپاتے ہوئے) معلوم نہیں۔

احمد: کیوں کرتے ہیں ایسی حرکت ؟

ثریا: (مسکراکر) کیوں کہ وہ بہت خود غرض اور بُرے آدمی ہیں۔

احمد: واقعی ؟

ثریا: شو، چُپ چُپ کہیں نصرت نہ سُن لے ورنہ ابھی رو دے گی۔

نصرت: (کھڑی ہوکر خالد سے بات کرتی ہے دونوں بائیں کو آجاتے ہیں)۔ ہائے آپ کی خالہ جان کتنی اچھی سی بیوی ہوں گی، مجھے تو اُن سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہوگیا ہے۔ خدا کرے جلدی آجائیں۔ کہاں ہیں ؟

خالد: (اسائیڈ) احمد کہاں ہیں میری خالہ ؟ (احمد خالد کے کان میں کہتا ہے) کیا کہا تم نے ؟ (کندھے اُچکاتا ہے پھر بے کسی کے عالم میں ثریا کے پاس آتا ہے۔ یہ سب بہت تیزی سے ہوتا ہے لڑکیاں نہیں دیکھتیں)۔

خالد: (جھجکتے ہوئے نصرت سے) بس ابھی آتی ہی ہوں گی۔

نصرت: (حیرت سے) تو کیا ابھی آئیں نہیں ؟ (ثریا کی طرف جاتے

ہوئے) ثریا لطیف صاحب کی خالہ ابھی نہیں آئیں۔
ثریا: (کھڑے ہوکر) نہیں آئیں! ہائے غضب! (احمد سے) تو ہم چلے ہمیں ذرا چوراہے تک جانا ہے کچھ خریدنے کوئی گھنٹہ بھر تک لوٹ آئیں گے۔ خدا حافظ (جاتے ہوئے)
نصرت: (احمد سے) خدا حافظ
ثریا: (خالد سے) خدا حافظ (سب بہت افسردہ خاطر ہیں، لڑکیاں جاتی ہیں)
خالد: (دروازے پر) خدا حافظ (احمد اور خالد ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں، میز پر بیٹھ کر ہاتھ ملاتے ہیں)
احمد: دیکھا تم نے، جیسے ہی معلوم ہوا خالہ نہیں آئیں ہوا ہوگئیں دونوں!
خالد: یہ تو بڑی گڑبڑ ہے، اب کیا کریں؟
احمد: (خالد کو ڈر ڈرا کر بائیں کو لے جاتے ہوئے) بس اب تم گولی کی طرح جاؤ اور اسٹیشن سے محترمہ کو ٹیکسی میں بٹھا کر لے آؤ۔ (خالد دھوپ کی عینک ٹوپی سنبھالتا ہوا جاتا ہے)
خالد: (لوٹ کر آتا ہے) محترمہ، کیسے، کون سی محترمہ کو لے آؤں؟
احمد: احمق اپنی خالہ کو — میں کر لوں گا کھانے کا انتظام

اور بابا خاں پر بھی کڑی نگاہ رکھوں گا کم بخت کہیں بھاگ نہ لے۔

خالد : (جاتے ہوئے) اچّھا (مڑ کر دو قدم آگے آتے ہوئے) یار اِن لڑکیوں سے مل کر جی کی کلی جیسے کِھل سی گئی ہو، ٹھیک ہے نا؟

احمد : ہاں ہاں سن لیا، بس جا بھی چکو۔ (خالد جاتا ہے)

نواب زادہ: (آہستہ سے آکر احمد کے بائیں کو کھڑا ہو جاتا ہے) میں نے کہا یار، تمہارے پاس ہیئر پن تو نہیں ہوں گی؟ (فقیرا کسی کام سے اندر آتا ہے)

احمد : ہیئر پن! لاحول ولا قوۃ!

نواب زادہ : تو ذرا فقیرا کو بازار بھیج کر منگوا لوں؟

احمد : ضرور۔

نواب زادہ : (احمد سے اسائیڈ) تمہاری جیب میں چھ آنے تو نہیں ہوں گے؟

احمد : (جیبیں ٹٹول کر) ایک پیسہ نہیں۔

نواب زادہ : ارے کچھ بھی نہیں۔ یار تم بھی پھوکٹ ہی نکلے۔ (فقیرا سے اسائیڈ) فقیرا ابھی میں نے تمہیں دو روپے دئے تھے نا بس اُس میں سے چھ آنے کا ہیئر پن کا ایک پیکٹ تو لے آؤ۔

فقیرا : (ہلکی سی مسکراہٹ) بہت خوب بندہ ور۔
نواب زادہ : اور لقایا ریزگاری بالکل تمہاری (فقیرا جاتا ہے)
یار وہ چھوکریاں کہاں غائب ہو گئیں ؟
احمد : ارے ہاں یہ کیا پھٹکار تھی کہ یوں کودتے ہوئے چلے
آئے۔ اگر وہ تمہیں دیکھ لیتیں تو کیا ہوتا ؟
نواب زادہ : مجھے کوئی الہام تو ہوا نہیں تھا کہ وہ یہاں بیٹھی ہیں
(دستک)
احمد : ہوشیار، نہ جانے اب کون آگیا (نواب زادہ بھاگ جاتا
ہے) کیا کام خراب کیا ہے اس کم بخت خالہ نے —— ثریا
کچھ بات کہنے ہی کو تھی کہ —— خیر کوئی حرج نہیں، دیر آید
درست آید (دستک) اندر آجاؤ
(سر غلام آتا ہے۔ سر غلام حیدر آئی سی ایس کے ریٹائرڈ
افسر ہیں۔ عمر پچپن چھپن کے لگ بھگ ہے۔ جامہ زیب
آدمی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی کھچڑی مونچھیں، ہاتھ میں چھڑی ہے
لکھنؤ کی وضع کا عمدہ انگرکھا پہن رکھا ہے۔ اس عمر میں بھی
چھیلے معلوم ہوتے ہیں، خوب پان کھا رکھا ہے)
سر غلام : احمد
احمد : (گھوم کر حیرت اور مسرت سے) ابا جان !
سر غلام : (احمد کو گلے لگا کر) کہو کیسے ہو ؟

احمد : آپ کی عنایت، ابّا جان آپ کیسے تشریف لائے۔ شاید دہلی سے آرہے ہیں؟
سرغلام : ہاں دلّی کچھ کام سے آنا ہوا تھا، میں نے خیال کیا چلو تم سے ملتے چلیں۔ دن بھر ٹھہرنے کا ارادہ ہے اور دوسرے تمہارا چک بھی ابھی تک نہیں بھیجا تھا۔ وہ بھی لیتا آیا ہوں۔
احمد : ابّا جان آپ نے بڑی زحمت فرمائی۔
سرغلام : زحمت کیسی، تمہیں دیکھ لیا جی خوش ہوا۔ اپنی پرانی یونیورسٹی میں تو ہمیشہ آنے کو دل چاہتا ہے۔ اب خاص طور پر جب تمہارے نئے وائس چانسلر صاحب نے اس مردے میں نئی روح پھونک دی ہے۔ جدھر جاؤ زندگی کے آثار نظر آتے ہیں۔
احمد : جی ڈاکٹر صاحب جب سے وائس چانسلر ہوئے ہیں یونیورسٹی کی مرہم پٹی کرتے کرتے بے چاروں کا ناک میں دم آگیا ہے۔
سرغلام : اداروں کا حال بھی انسانوں کا سا ہے اگر مستقل اُن کی دیکھ بھال نہ کی جائے تو قبل از وقت ختم ہو جاتے ہیں بھائی دور کیوں جاؤ ہمیں کو دیکھ لو۔ اگر اپنی دیکھ بھال نہ کریں، تو دو دن میں پلنگ سے لگ جائیں
احمد : بھلا ابّا جان آپ کی عمر کیا ہو گی ؟
سرغلام : تمہارا کیا اندازہ ہے ؟

احمد : میں کوئی باون ترپن سال۔

سرغلام : چوّن (۵۴) سال۔

احمد : اوروں کو اِس کا یقین نہیں آسکتا۔ آپ کی تندرستی ماشاء اللہ بہت اچھی ہے۔

سرغلام : (چیک دیتے ہوئے) لو یہ رہا تمہارا چیک (میز پر پڑی بلوں کی گڈی دیکھ کر) ہو نہہ!

احمد : (چیک پر لکھی ہوئی رقم دیکھ کر) بہت شکریہ۔

سرغلام : (بلوں کی گڈی اُٹھاکر) معلوم ہوتا ہے مہمان داری بہت رہتی ہے!

احمد : جی یہ تو واقعہ ہے۔

سرغلام : تمہاری عمر میں ہم بھی یہی کرتے تھے (دونوں ہنستے ہیں) مگر نہ اِس قدر۔ ذرا خرچ ضرورت سے زیادہ کر رہے ہیں آپ۔ خیر خود ہی سیکھ جاؤ گے مجھے تو یہ خوشی ہے کہ تمہارا کالج کا رکارڈ بہت اچھا ہے۔ اب وقت آگیا ہے، کہ معاملات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔

احمد : کن معاملات پر آبا جان میں سمجھا نہیں۔

سرغلام : چچا آبا کے انتقال کے بعد زمینداری کا سارا کام مجھ پر آپڑا تھا، جس میں جمع کم اور خرچ زیادہ تھا۔

احمد : خرچ زیادہ ؟

سر غلام : زمینداری پر قرضہ میرے اندازے سے کہیں زیادہ تھا۔ قرض اتنا ہی تھا کہ اب زمینداری ایک سرے سے ختم ہی ہو رہی ہے۔ اِس لئے چند سال کے لئے مجھے اور تمہیں بڑی سمجھ داری سے چلنا ہوگا۔ تھوڑے دن غریبی کا لُطف بھی اُٹھا لیں۔

احمد : غریبی کا لطف !

سر غلام : مگر تمہارے لئے میں نے انتظام کر دیا ہے (فقیرا اندر آتا ہے) بنگال میں ایک ملازمت ہے۔

احمد : مگر ابا جان بنگال ! بنگال تو بہت دور ہے (فقیرا کو مُڑ کر دیکھتا ہے) کیا ہے ؟

فقیرا : (سُتلی سے ایک چھوٹا سا پارسل لٹکائے) نواب زادہ صاحب کی ہیر پن۔

احمد : چولھے میں لے جا کر ڈال دو اِن پنوں کو (فقیرا دروازے سے جاتا ہے) ہیر پن (اسائڈ) آج کی پارٹی میں ابا جان کیسے کھپیں گے، میرے خیال میں بابا خاں کو چلتا کرنا چاہیے اگر ابا جان رُکیں تو (ایک دم) رُکیں ــــــ آخر کیوں نہیں (سر غلام سے) ابا جان اگر آپ خفا نہ ہوں تو ایک عرض کروں؟ (سر غلام کے قریب آکر) ابا جان کیا یہ قرضے کا جھگڑا کسی رئیس خاتون سے شادی کرنے سے حل نہ ہو سکے گا؟

تمہارے ———

احمد : جی نہیں ! ابّا جان میرے ذہن میں خالد کی خالہ کا خیال آیا ہے ۔ خالد، لطیف کی خالہ بیگم جعفر ششتر و دینو آج دوپہر کے کھانے پر آرہی ہیں ۔ وہ بیوہ ہیں۔

سرغلام : (حیرت سے) بیوہ !

احمد : اور لکھ پتی، کروڑ پتی۔

سرغلام : (حیرت سے) اور لکھ پتی کروڑ پتی !

احمد : اور نہایت شاندار خاتون ہیں۔

سرغلام : نہیں بیٹے میری رائے نہیں کہ تم دولت کی خاطر شادی کرو۔

احمد : ابّا جان میں اپنے لئے نہیں کہہ رہا ہوں، میں تو ———

سرغلام : کیا آپ میرے لئے کہہ رہے ہیں ۔ ماشاء اللہ، نہیں کبھی ناممکن ہے۔ (احمد کو دھکیلنے کی کوشش کرتا ہے احمد غوطہ دے کر نکل جاتا ہے) میں دوبارہ شادی نہیں کر سکتا۔

احمد : ابّا جان آپ فیصلہ کرنے میں اِتنی عجلت سے کام نہ لیں، آپ کا قیام کہاں ہے ؟

سرغلام : اسٹاف کلب میں۔

احمد : ابّا جان آپ دوپہر کا کھانا یہیں نوش فرمالیں۔

خالد : (باہر سے) یار سنو تو غضب ہو گیا! (گھبرایا ہوا ہے تار ہاتھ
میں لئے آتا ہے سر غلام سے ٹکراتا ہے)

احمد : (تعارف کراتے ہوئے) ابّا جان یہ میرے دوست
خالد لطیف ہیں۔ خالد ابا جان سے ملو (خالد آداب
کرتا ہے)

سر غلام : (ہاتھ ملاتے ہوئے) بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر
میاں صاحب زادے۔

احمد : (سر غلام سے اسائیڈ) بیگم کا بھانجا ہے۔ بہت ہی اچھا
نوجوان آپ اِنہیں پسند فرمائیں گے۔

سر غلام : (ہنستے ہوئے) خالد صاحب آپ تو آندھی کی طرح
اندر آئے (مسکرا کر کھڑکی کی طرف جاتا ہے)

احمد : ابّا جان بھولئے گا نہیں، لنچ ایک بجے ہے۔

سر غلام :(ٹوپی ترچھی کر کے چھڑی ہلاتا ہے) میرے خیال میں
تو یہ بہتر ہوتا کہ تم کھانا میرے ساتھ کھاتے (مسکرا کر)
تمہاری خوشی ہم ضرور آئیں گے۔ (بائیں طرف سے جاتا ہے)

احمد : (خالد کے پاس آکر) کیا ہے خالد؟

خالد : گھبرا کر احمد کے دائیں کو آتا ہے پریشان اور ہونّق
ہے۔ کھلا ہوا تار احمد کی طرف بڑھا کر) اِسے پڑھو تو
یار۔

DONT EXPECT ME FOR A FEW DAYS

SADIQA MADINO"

یہ تو بڑا غضب ہو گیا (سر تھام کر بیٹھ جاتا ہے)

خالد : (پریشانی سے) نہیں آرہی ہیں خالہ جان۔

احمد : (کھڑے ہو کر) کیسے نہیں آئیں گی۔ انہیں آنا ہو گا۔
جاؤ تار دو، ٹیلیفون کرو کچھ کرو مگر بلاؤ۔

خالد : سب بے کار، وقت کہاں ہے ان باتوں کے لئے
(کھڑکی کی طرف جاتا ہے)

احمد : (بیچ اسٹیج پر کھڑے ہو کر) لعنت ہے ایسی تقدیر پر
لڑکیوں کو دیکھو ایک منٹ کو بغیر کسی معمّر عورت کے ہمارے
کمرے میں رکنے کو تیار نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں!

خالد : یار کسی پراکٹر کی بیوی سے کام نہیں چلے گا۔ مسز فیاض
کیسی ——— (کھڑکی میں سے باہر جھانکتا ہے)

احمد : الّو سی بیٹھی دیدے گھمایا کرے گی۔ بے کار ہے۔

خالد : (مڑتے ہوئے) لو وہ تو آ بھی گئیں۔ وہ آئیں۔

احمد : (بیچ کی میز پر بیٹھ کر) جی چاہتا ہے کہیں جا کر ڈوب مروں
اب سوائے اس کے پروردگار آسمان سے کوئی فرشتہ نازل
کرے اور کوئی چارہ نہیں۔

نواب زادہ: (باہر سے) میں نے کہا احمد یار آکر تو دیکھو میرا حلیہ!
احمد: (جھنجھلا کر) کم بخت، کیا قیامت آرہی ہے۔ جب بولتے ہو بے تکے بولتے ہو۔ بے موقع، بے محل (جاکر دروازہ کھولتا ہے) قسم ہے (حیرت سے پیچھے ہٹتا ہے) خدائے پاک کی قسم کمال کر دیا تم نے (خالد سے) اِدھر تو آؤ یار، بھلا متّقی مکّار کسے کہتے ہیں؟
خالد: (بھونچکا سا ہو کر احمد کی طرف جاتا ہے) متّقی مکّار؟
احمد: معجزے کا دودھ شریک بھائی۔ (خالد کو گھسیٹتے ہوئے) ذرا دیکھنا
خالد: (باہر دیکھتا ہے) آخر ہے کیا ماجرا؟
احمد: بابا خاں ـــــ تمہاری خالہ
خالد: بابا خاں۔ (احمد کی طرف مڑتے ہوئے) میری خالہ!
احمد: بس یہی تو دنیا میں تمہاری ایک خالہ ہیں۔ تم چاہو یا نہ چاہو (خالد کو دائیں کو دھکیل کر خود بائیں کو جاتا ہے)
نواب زادہ: (باہر سے) میں نے کہا ـــــ ذرا دیکھنا (اندر آتا ہے، امراؤ جان ادا کا روپ بھرے ہوئے ہے۔ مسکراتا ہے) کیوں کیا رائے ہے!
(مسکراتے ہوئے لپک کر جاتا ہے۔ خالد منہ کھولے حیرت سے تک رہا ہے)

کے (دستک)

نواب زادہ: (گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھتا ہے) کون ہے؟
(بھاگنے کو ہے)

احمد: (نواب زادہ کے دونوں کندھے تھام کر) لڑکیاں ہیں۔

نواب زادہ: لڑکیاں!

احمد: بابا خان خالد کی خالہ نہیں آسکیں۔

نواب زادہ: نہیں آسکیں؟ میں جا کر یہ کپڑے اتارتا ہوں، ابھی آیا (بھاگنے کے لئے مڑتا ہے)

احمد: (نواب زادہ کو تھامتے ہوئے) اگر تم نے اپنے کپڑے اتارے تو لڑکیاں چلی جائیں گی۔

نواب زادہ: چلی جائیں گی، نہ جانے کیا بک رہے ہو!

احمد: تمہیں خالد کی خالہ ضرور بننا پڑے گا۔

نواب زادہ: (پریشان ہوکر) مجھے؟ خالد کی خالہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں!!!!

(خالد نواب زادہ کو دائیں طرف سے اور احمد بائیں طرف سے تھامے ہیں۔ وہ ذرا پیچھے ہٹتا ہے۔ پھر اپنا آپ چھوڑ دیتا ہے۔ دونوں اُسے لے جا کر کرسی میں بٹھاتے ہیں نواب زادہ دوبارہ بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ خالد

اُسے دھکا دے کر کرسی میں بٹھاتا ہے۔ خالد نواب زادہ کو ایڑی سے ٹھوکر مارتا ہے جو اصل میں کرسی کے پائے میں لگتی ہے۔ مگر دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ نواب زادہ کے لگی۔ نواب زادہ درد سے بلبلا اٹھتا ہے۔ احمد اُسے چھوڑ کر لڑکیوں کے خیر مقدم کے لئے بڑھتا ہے۔ مگر نواب زادہ کی طرف دیکھتا جاتا ہے۔ فقیرا اندر آتا ہے)۔

احمد : فقیرا لڑکیوں کو اندر لے آؤ۔

(فقیرا دروازہ کھولتا ہے، ثریا اور نصرت اندر آتی ہیں۔ نصرت کے ہاتھ میں پھولوں کی ٹہنی ہے۔ (احمد لڑکیوں کی طرف بڑھتا ہے، نواب زادہ خالد کے ہاتھ کو چائے دانی کا ہینڈل بنا کر اُس کے اندر سے لڑکیوں کو دیکھتا ہے۔ خالد غصّے میں بھُن رہا ہے مگر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خالد نواب زادہ کے مُنہ پر ایک تھپڑ رسید کرتا ہے جو "چائے دانی" کے ہینڈل پر زور سے لگتا ہے۔ نواب زادہ منہ یوں پیچھے ہٹاتا ہے گویا اُس کے منہ پر چوٹ لگی۔ اپنا ہاتھ منہ پر رکھتا ہے)

احمد : اہا ہا! آپ آگئیں۔ (فقیرا واپس جاتا ہے)

ثریا : ہمیں ذرا دیر لگ گئی۔ نصرت کو اصرار تھا کہ خالد صاحب کی خالہ جان کے لئے پھول ضرور خریدیں گے۔ کیا وہ تشریف لے آئیں ؟

احمد : ہاں ہاں آگئیں (خالد نواب زادہ کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے) خالہ جان یہ ہیں مس حسین اور یہ مس سطین اور آپ ہیں بیگم جعفر ششتر و مدینو۔ خالد کی خالہ جان۔ (لڑکیاں تسلیم کرتی ہیں)

(خالد ذرا دائیں کو ہٹتا ہے۔ احمد جلدی سے نواب زادہ کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے)

وقفہ

احمد : (نواب زادہ سے اسائیڈ) کم بخت کچھ منہ سے تو بول۔

نواب زادہ : (لڑکیوں کی طرف گھورتا ہے، پھر ذرا اٹک کر زنانی آواز میں) کیسی ہو بچیو؟

ثریا : ہم تو پہلے بھی حاضر ہوئے تھے۔ مگر تب تک آپ تشریف نہیں لائی تھیں۔

احمد : اِن کی گاڑی لیٹ تھی۔

نصرت : (بنچی دیتے ہوئے) ہم آپ کے لئے پھول لائے ہیں۔

نواب زادہ : (پھول لیتے ہوئے) شکریہ!

(نصرت اور خالد ذرا پیچھے کو ہٹ کر خاموش گفتگو کرتے ہیں)

ثریا : اُمید ہے آپ کا سفر آرام سے کٹا ہوگا۔ آپ تھک تو

نہیں گئیں ؟

نواب زادہ : (مردانی آواز میں) اجی کیا پوچھتی ہیں ۔ راستے بھر گلچھرے اڑاتے ہوئے آئے ہیں ۔ (احمد ٹھوکا دیتا ہے ،

نواب زادہ زنانی آواز میں) میرا مطلب ہے بہت پر لطف رہا سفر ؛ ثریا خالد اور نصرت کے پاس جاتی ہے ،

نواب زادہ احمد سے اسا ئیڈ پھول دکھا کر) اس کا کیا کروں ؟

احمد : (اسائیڈ) کرتے کیا ، باندھ لو۔

(نواب زادہ بیلٹ گردن میں کس کر باندھ لیتا ہے اور نہایت بے چین ہے ۔ فقیرا کچھ کہنے کے لئے نواب زادہ کے قریب آتا ہے ۔ اس کا یہ حلیہ دیکھ کر بے قابو ہو جاتا ہے ۔ نواب زادہ آنکھ مارتا ہے ۔ فقیرا بڑی مشکل سے ہنسی روکتا ہے پھر کتابیں ٹھیک کرنے لگتا ہے)

نصرت : خالد صاحب ، آپ کچھ پریشان سے ہیں ، کیا بات ہے آپ کا جی تو اچھا ہے ؟

خالد : کچھ نہیں ذرا طبیعت ——

احمد : اپنی خالہ جان سے زندگی میں پہلی بار بچھڑے ہیں تو ان کا دل امڈا چلا آرہا ہے ، بے چارے کو اپنی اماں یاد آرہی ہوں گی ۔ (نواب زادہ کو کہنی مار کر اسائیڈ) منحوس منہ پر پھر

کیوں لگ گئی !

نواب زادہ : (اسائیڈ) کیا بات کروں آخر!

احمد : (اسائیڈ) کچھ موسم ہی کی بات کر لو۔

نواب زادہ : زنانی آواز میں) موسم بڑا سہانا ہو رہا ہے ۔

ثریا : بہت خوش گوار۔

نصرت : جی ہاں نہایت خوش گوار۔

فقیرا : (دروازے کے پاس کھڑے ہو کر اسائیڈ) بھئی یہ کالج کے لونڈے جو نہ کریں کم ہے ۔ (باہر جاتا ہے)

نواب زادہ : (احمد سے اسائیڈ) یار کس مصیبت میں پھنسا دیا مجھے (بلنی ڈھیلی کرتا ہے) ۔

نصرت : (قریب آکر) بیگم صاحبہ ، آپ اجازت دیں تو میں بلنی ذرا ڈھنگ سے باندھ دوں ؟ نصرت گلے سے اتار کر بلنی نواب زادہ کے جُوڑے میں باندھتی ہے) آپ کو ہندوستان کا موسم بھی پسند آیا ؟ (ثریا کے قریب جاکر کھڑی ہو جاتی ہے)

نواب زادہ : (احمد سے اسائیڈ) یہ کیا کہہ رہی ہے ؟

احمد : (اسائیڈ) کیوں ۔ تم ہندوستانی جو نہیں ؟

نواب زادہ : غیر ہندوستانی ! یار تم نے کیا بنا یا تھا ، میرا نام

احمد : بیگم صدیقہ جعفر شُشترو مدینو۔
نواب زادہ : میں کہاں کا باشندہ ہوں۔ جاپان کا ؟
خالد : اصل میں ہندوستانی مگر اب تم اندونیشن بیوہ ہو۔
احمد : تم بیوہ ہو۔
خالد : اس وقت سنگاپور سے آئی ہو۔
احمد : تم لکھ پتی ہو۔
نواب زادہ : میں نے کہا خالد میرے کوئی بچّہ وچہ بھی ہے ؟
خالد : بکواس مت کرو۔ (فقیرا برتنوں کی کشتی لے کر آتا
ہے میز پر رکھ دیتا ہے۔ خالد پھر نواب زادہ کو اڑھی
سے ٹھوکر مارتا ہے۔ وہ ٹانگ سہلاتا ہے۔ نصرت اور
ثریا فقیرا کا ہاتھ بٹاتی ہیں)
نواب زادہ : (خالد سے اسائیڈ) آخر پوچھنے میں کیا حرج ہے
مجھے معلوم بھی تو ہو میں کیا ہوں۔ بس اب معلوم ہو گیا۔
اطمینان سے بات کر سکوں گا۔ (لڑکیوں سے زنانی آواز
میں) ہندوستان کا موسم خوش گوار ہے۔
ثریا : (بوکھلا کر) جی ہاں۔
نصرت : (گھبرا کر) بے شک۔
نواب زادہ : (احمد سے اسائیڈ) یار میں اِن لڑکیوں کو مسجد
دکھانے لے جاؤں ؟ (نواب زادہ اٹھنے کی کوشش

کرتا ہے۔ احمد اور خالد اسے کرسی میں ڈھکیل دیتے ہیں)

احمد: جی نہیں، آپ زحمت نہ فرمائیے وہ ہیں اور خالد خود کرلیں گے۔

ثریا: (نواب زادہ کے قریب آکر) علی گڑھ تو آپ کے لئے بالکل نئی جگہ ہے۔ آپ فرمائیں تو ہیں اور نصرت آپ کو شہر اور یونیورسٹی دکھلا لائیں؟

نواب زادہ: (زنانی آواز میں) نیکی اور پوچھ پوچھ چلیئے، (اُٹھتا ہے)

خالد: خالہ جان تشریف رکھئے کھانے کے بعد چلیں گے (زبردستی بٹھا دیتا ہے)

ثریا: بیگم صاحبہ آپ تو کل تک رُک رہی ہیں نا؟

نواب زادہ: (احمد سے اسائیڈ) بھئی بتاؤ کیا میں کل تک رُک رہا ہوں!

احمد: (جلدی سے) ہرگز نہیں۔

نواب زادہ: (مردانی آواز میں) ہرگز نہیں (لڑکیاں جو میز درست کر رہی ہیں۔ حیرت سے مڑتی ہیں)

ثریا: ہائے۔

نصرت: ہائے آپ کیوں جا رہی ہیں رُک جائیے نا (ثریا سے) کیوں ٹھیک ہے نا؟ (میز درست کرتی ہیں)

خالد : (پریشانی سے) نہیں نصرت خالہ جان کو جانے دو دلی میں
اِنہیں کام ہے۔
نوابِ زادہ : مجھے کچھ میلے کپڑے دھونا ہیں (پاؤں اُٹھا کر
گھٹنے پر رکھتا ہے پتلون دکھائی دیتی ہے خالد پاؤں
اُٹھا کر نیچے ٹپک دیتا ہے)
خالد : (لڑکیوں سے) دراصل خالہ جان کو اپنے کاروبار
کے سلسلے میں ہزاروں کام ہیں۔
نواب زادہ : (مردانی آواز میں) سلسلے کے کام میں ہزاروں کاروبار
ہیں۔ (احمد گھونسہ مارتا ہے)۔ (زنانی آواز میں) ہاں
بی بیبیوں کام ہیں جن کی وجہ سے میرا دلی جانا ضروری
ہے۔
نصرت : (قریب آکر) ہائے اللہ ہمیں تو اس قدر آپ کا انتظار
تھا اور آپ اتنی جلدی چلی جائیں گی۔
نواب زادہ : کیا سچ مچ تم میرا انتظار کر رہی تھیں ؟ (نصرت کا
ہاتھ تھام لیتا ہے)۔
نصرت : (بہت قریب کھڑی ہو کر، خالد صاحب نے آپ کا
اتنا ذکر کیا ہے کہ ہمیں تو آپ سے محبت سی ہو گئی ہے،
(ثریا کھڑکی کے پاس بیٹھی ہے، خالد نصرت کے
پیچھے جاتا ہے)

نواب زادہ : (نصرت کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے) کیا اکثر ذکر کرتا ہے میرا، (زنانی آواز، دوسرے ہاتھ سے پنکھیا ہلاتا ہے) ہیں ؟ (خالد نواب زادہ کا ہاتھ جھٹک دیتا ہے مگر وہ پھر ہاتھ نصرت کی کمر میں ڈال دیتا ہے۔ خالد اُسے پھر الگ کر دیتا ہے۔ نصرت نواب زادہ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہے۔ نواب زادہ اپنا ہاتھ اُس کی گردن میں ڈال دیتا ہے اور اُسے اپنی جانب کھینچتا ہے۔ اور فاتحانہ انداز کے ساتھ دونوں لڑکوں کو دیکھتا ہے خالد غصّے میں بائیں کو جاتا ہے ؛ اور کتاب زمین پر پٹک دیتا ہے۔ پھر بائیں کو آکر کھڑا ہو جاتا ہے جھنجھلایا ہوا ہے)

نصرت : (گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے خالد صاحب آپ کے اس قدر شکر گذار ہیں۔ یہ تو عمر بھر آپ کے احسان نہیں بھول سکتے۔ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اتنے صاف گو نیک اور فراخ دل مگر یہ سب کچھ آپ کی وجہ سے ہے۔

نواب زادہ : تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو (پھر سنبھلتا ہے ہاتھ ہٹا کر) یہ تو میرا اخلاقی فرض تھا کہ میں اپنے عزیب بھائی کے ـــــ

احمد : (جلدی سے نواب زادہ سے اسائیڈ) نہیں۔ کم بخت بہن

نواب زادہ : (دہراتے ہوئے) نہیں کم بخت بہن (سمجھ کر) اپنی مرحوم بہن (غصّے سے احمد کو دیکھ کر) اور بہنوئی کی یتیم لڑکی۔

احمد : (اسائیڈ) لڑکا، لڑکا!

نواب زادہ : (نصرت سے) لڑکا، لڑکا (احمد سے اسائیڈ) ابھی کہہ دوں گا، حرّاں، ناک میں دم کر دیا کم بخت، (فقیر اکمرہ درست کرتا ہے)

نصرت : مگر یہ آپ کی عین شفقت ہے کہ آپ نے اِن کی اِس طرح خبر خبر رکھی، حالانکہ آپ ہزاروں میل پر تھیں۔ اگر آپ اِن کی دستگیری نہ کرتیں تو نہ جانے اِن کا کیا حشر ہوتا اور یہ نہ جانے کن کے رحم و کرم پر ہوتے آپ کو خدا نے بہت اچھا دل دیا ہے۔ محبّت سے لبریز۔

نواب زادہ : (مردانی آواز میں) کیا واقعی (کھانستا ہے پنکھیا ہلاتا ہے)

نصرت : یہ تو کوئی بھی آپ کے چہرے کو دیکھ کر کہہ سکتا ہے۔

نواب زادہ : نہیں تو!

نصرت : مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنا دل کھول کر آپ کے سامنے رکھ سکتی ہوں (خالد کو دیکھتی ہے)

احمد : (نواب زادہ سے اسائیڈ) منع کر دو بار۔

نواب زادہ : (اسائیڈ) ہرگز نہیں، بے چاری بچی!

نصرت : (نواب زادہ سے) آپ کو میری صاف گوئی ناپسند تو نہیں؟
نواب زادہ : (نصرت کی ٹھوڑی پکڑ کر) میری پیاری بھلا تم سی
حسینہ میرا مطلب تم سی حسین تجّی کی باتیں بھی کبھی ناگوار
ہو سکتی ہیں ۔ تم سے تو کسی کو بھی محبت ہو سکتی ہے (یہ سب
زنانی آواز میں کہتا ہے ۔ نصرت کے سر کے اوپر سے خالد
کو دیکھتا ہے اور زبان نکال کر اُسے چڑاتا ہے) تم اپنے
دل کا (خالد مُکّا دکھاتا ہے) حال ہم سے ضرور کہنا ہم
غور سے سُنیں گے (نصرت خالد کی طرف دیکھتی ہے) اچھّا
(اسائیڈ) یہ لونڈے بھی کیا یاد کریں گے ۔
نصرت : مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میں آپ کو برسوں
سے جانتی ہوں (اُٹھ کر نواب زادہ کو پیار کرتی ہے اور
پھر ثریا کے پاس جاکر اُس کے کان میں کچھ کہتی ہے جس
وقت دونوں لڑکیاں باتوں میں لگی ہیں احمد اور خالد
نواب زادہ کی گھونسوں سے خبر لیتے ہیں اور پھر کھڑکی کے
پاس جاکر لڑکیوں سے باتیں کرتے ہیں)
نواب زادہ : (اسائیڈ) بس جل گئے راکھ ہو گئے ۔ ہم تھوڑا سا
پٹ بھی لیں گے تو کیا ہے ۔ "لطف بھی ایسا اُٹھایا ہے کہ
جی جانتا ہے"
فقیرا : (گھبرایا ہوا آتا ہے) معاف فرمائیں حضور میں نے

ابھی ابھی خان بہادر سبطین صاحب کو ہوسٹل کے دروازے پر آپ کا پتہ پوچھتے ہوئے سُنا۔

نصرت } : آبا جان واپس آ گئے۔
ثریا } : ابا جان واپس آ گئے۔

خالد : (احمد کے پاس جا کر) سبطین صاحب آ گئے (سب بوکھلا کر کھڑے ہو جاتے ہیں)

احمد : (ہڑبڑا کر) واپس آ گئے وہ تو دلّی گئے تھے کیسے آ گئے (فقیرا ڈیوڑھی کا پردہ برابر کرتا ہے)

ثریا : احمد صاحب خدا کے واسطے سبطین صاحب کو چلتا کیجئے (بائیں دروازے پر دستک ثریا اور نصرت دائیں کو جاتی ہیں۔ فقیرا دروازہ کھولنے کے لئے بڑھتا ہے۔ نواب زادہ پریشان ہے بھاگنا چاہتا ہے۔ خالد جھپٹ کر جاتا ہے اور نواب زادہ کی کمر میں باہیں ڈال کر اُسے گھسیٹ کر اسٹیج کے کنارے پر لے آتا ہے اور اُسے زمین پر پٹک دیتا ہے۔ نواب زادہ کے جوتوں کے تلے مجمع کے سامنے ہیں۔ نواب زادہ پاؤں پھیلائے پھسکڑّا مارے بیٹھا ہے)

نواب زادہ : (پریشانی کے عالم میں) خدا کے واسطے خالد مجھے بتاؤ میں کیا کہوں (خالد کی اچکن تھام لیتا ہے) "جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو"

خالد: (دامن چھڑاتے ہوئے) بس جہاں بیٹھے ہو وہیں بیٹھے رہو اور جو جی میں آئے کرو۔ مگر خان بہادر کو دفان کر دو۔ (خالد ڈیوڑھی کے پردے کے پیچھے جاتا ہے۔ نواب زادہ اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بائیں دروازے پر دستک)

سبطین: (باہر سے) کہاں چلے گئے سب، جواب کیوں نہیں دیتے؟

سبطین پولیس کے ریٹائرڈ افسر ہیں عمر ۵۵ سال، ذرا دوہرے جسم کے آدمی ہیں۔ براؤن اچکن اور سفید پاجامہ پہن رکھا ہے۔ سر پر براؤن کشتی نما ٹوپی ہے ہاتھ میں چھوٹی سی چھڑی۔ غصّے میں اندر آتا ہے۔ نواب زادہ کی طرف جاتے ہوئے)

سبطین: کیا بات ہے جواب کیوں نہیں دیتا کوئی؟

نواب زادہ: (سبطین کا کندھا پنکھے سے چھوتا ہے سبطین پیچھے کو ہٹتا ہے، نواب زادہ آگے کو ساتھ ساتھ بڑھتا ہے زنانی آواز میں) کیا چاہتے ہیں آپ؟

سبطین مجھے فوراً احمد سعید سے ملنا ہے۔

نواب زادہ: (مردانی آواز) آپ اُن سے نہیں مل سکتے، یہاں میرے سوا اور کوئی دوسرا مرد نہیں (زنانی آواز میں) وہ سب باہر گئے ہوئے ہیں۔ میرا مطلب تھا دوسری عورت۔

سبطین : مگر چوکی دار نے مجھ سے خود کہا کہ اُس نے دو لڑکیوں کو اِس کمرے میں آتے دیکھا تھا۔

نواب زادہ : (پنکھیا سے کندھے کو چھوتے ہوئے) اگر چوکی دار نے اُنہیں اندر آتے دیکھا تھا تو باہر جاتے ہوئے بھی لازمی دیکھا ہو گا (پنکھے سے سبطین کا کندھا چھوتا ہے)۔ جائیے جا کر اُسی چوکی دار سے پوچھئے۔ آخر مجھ عورت کا پیچھا کیوں لے رکھا ہے۔ (زنانی آواز میں)

سبطین : (چیخ کر) جی نہیں، میں یہاں سے ہرگز نہیں ہلوں گا۔

نواب زادہ : (غصّے سے) بہت خوب تو بیٹھ جائیے آسن جما کر میرا کیا حرج ہے۔

سبطین : میرے خیال میں یہ سب لوگ باغ میں ہوں گے! (ڈیوڑھی کی طرف بڑھتا ہے)

نواب زادہ : (راستہ روکتے ہوئے) آپ کو کسی شریف عورت کی بات کا یقین کیوں نہیں آتا۔ اگر میں مرد ہوتی تو اِس وقت آپ کا کان پکڑ کر آپ کو باہر نکال دیتی۔

سبطین : نامعقول! تو پھر یہ لڑکیاں شہر چلی گئی ہوں گی (دروازے کی طرف جاتا ہے)۔

نواب زادہ : (ذرا آگے آتے ہوئے) آخر یہی بات دماغ میں پہلے کیوں نہ آئی

جب جناب کی معلومات میں اتنا گراں قدر اضافہ ہو گیا ہے تو آپ گھر تشریف لے جائیے۔ (سبطین کا منہ سونگھ کر) ورنہ آپ کی موجودہ حالت میں (اوپر سے نیچے دیکھ کر)

سبطین: بیگم صاحبہ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں!

نواب زادہ: جی میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں کہ آپ کو ایسی حالت میں لڑکیوں کی تلاش میں ہرگز نہیں نکلنا چاہیئے۔ بڑے شرم کی بات ہے جائیے (پیچھے کو ہٹتا ہے گویا شراب کی بو ناقابلِ برداشت ہے۔)

سبطین: (نواب زادہ کے قریب جاکر) یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں میں اس وقت غصّے میں ضرور ہوں مگر نشے میں نہیں۔

نواب زادہ: بھلا کون کرسکتا ہے آپ کی بات کا یقین (ڈسک کے پاس جاتا ہے) جناب عالی اگر آپ کو غصّہ آسکتا تو دوسروں کو بھی آسکتا ہے (رسالہ پڑھتا ہے)

سبطین: میں ایک منٹ بھی یہاں نہیں ٹھہر سکتا، خدا حافظ (جانے کے لئے مڑتا ہے، نواب زادہ رسالہ تان کر سبطین کو مارتا ہے، پھر انجان سا بن کر پنکھا جھلنے لگتا ہے۔ سبطین ایک دم مڑتا ہے)

سبطین: (نواب زادہ کو غور اور دلچسپی سے دیکھتا ہے) بیگم صاحبہ

آپ نے کوئی چیز میری طرف آتے ہوئے دیکھی ؟

نواب زادہ : دیکھیے دیکھیے آپ پھر نشے میں باتیں کر رہے ہیں۔

سبطین : استغفراللہ! (پھر بڑبڑاتا ہوا باہر چلا جاتا ہے)

نواب زادہ : (ڈیوڑھی کی طرف جاتے ہوئے) میری جان، بچیو اب تم آسکتی ہو۔ (نصرت اور ثریا آگے آگے احمد اور خالد پیچھے پیچھے اندر آتے ہیں)

ثریا : (نواب زادہ سے) ہائے آپ کتنی اچھّی ہیں۔

نصرت : واللہ بہت ہی پیاری ہیں۔ (دونوں لڑکیاں باری باری نواب زادہ کو پیار کرتی ہیں)

خالد : (احمد سے اسائیڈ) تم نے دیکھیں اِس پاجی کی حرکتیں۔

احمد : (خالد سے اسائیڈ) اگر اس نے یہ حرکت پھر کی تو میں اِسے درست کر دوں گا، چر کٹا کہیں کا۔ (دستک) میرے خیال میں ابا جان آگئے۔ (فقیرا اندر آتا ہے دروازے کی طرف بڑھتا ہے) بیگم صاحبہ (نواب زادہ اسٹیج کے بیچ میں آتا ہے، احمد نواب زادہ سے اسائیڈ) ذرا ہوشیاری سے میرے ابا آرہے ہیں۔

نواب زادہ : (اسائیڈ) یار اُن کے آنے سے پہلے یہ تو بتا دیتے کہ میرا تمہارا کوئی رشتہ ہے یا نہیں؟

احمد : یار بے تکی بات مت کیا کرو۔ تم محض خالد کی خالہ ہو

اور انڈونیشیا سے آئی ہو بس۔

نواب زادہ: اتنا اور بتا دیتے کہ انڈونیشیا کہاں ہے؟

احمد: احمق، اتنی بھی خبر نہیں۔ آئیس لینڈ کے شمال ہیں اور کہاں ہوتا۔

(نواب زادہ کو جلدی سے ڈسک پر بٹھا دیتا ہے، خالد اُس کے سامنے اِس طرح کھڑا ہے کہ آنے والا اُسے نہ دیکھ سکے۔ احمد بیچ اسٹیج پر ہے۔ فقیرا بائیں جانب کا دروازہ کھولتا ہے۔ سر غلام اندر آتا ہے چھڑی کھونٹی پر ٹانگتا ہے۔ ثریا اور نصرت سینٹر کی طرف بڑھتی ہیں)

احمد: (ثریا کا تعارف کراتے ہوئے) ابا جان یہ مس ثریا حسین ہیں (تسلیم کرتی ہے)

سر غلام: خوب خوب، جیتی رہیے۔

احمد: مس سبطین یہ میرے ابا جان ہیں (آداب کرتی ہے)

سر غلام: جیتی رہو (نواب زادہ کو گھور کر دیکھتا ہے)

نواب زادہ: (زنانی آواز میں) مزاج شریف سر غلام حیدر!

سر غلام: (بے رخی سے) الحمد للّٰہ۔

نواب زادہ: (زنانی آواز میں) میں خالد کی خالہ ہوں، انڈونیشیا سے آئی ہوں۔ انڈونیشیا، آئیس لینڈ کے شمال میں ہے۔

(خالد نواب زادہ کو ٹھوکر رسید کرتا ہے، اور پھر

لڑکیوں کے پاس جاکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ نواب زادہ اپنی
ٹانگ سہلاتا ہے۔

سرغلام : (احمد سے اسائیڈ) احمد!

احمد : جی ابّا جان۔

سرغلام : کیا یہی ہیں وہ موصوفہ؟

احمد : جی؟ —— جی!

سرغلام : لاحول ولا قوۃ! (جانے کے لئے مڑتا ہے)

احمد : ابّا جان تھوڑی دیر اور تشریف رکھئے۔ کھانے میں
ابھی ذرا سی دیر ہے۔

سرغلام : (احمد کا پورا فقرہ سُنے بغیر) بالکل ناممکن ——

احمد : کیا ناممکن ہے آبا جان؟

سرغلام : (اسائیڈ) ذرا صورت تو ملاحظہ فرمائیے بیگم صاحبہ کی،

احمد : جی بالکل بجا فرما رہے ہیں آپ۔

سبطین : (طیش میں اندر آتا ہے سب کو بیٹھا دیکھ کر) ہوں،
اب فرمائیے بیگم صاحبہ کہاں تھیں یہ لڑکیاں؟

ثریا : } آبا جان!
نصرت : } آبا جان!

خالد : } خان بہادر سبطین صاحب!
احمد : } خان بہادر سبطین صاحب! (سبطین کو دیکھ کر سب

کھڑے ہو جاتے ہیں مگر نواب زادہ جلدی سے بیٹھ جاتا ہے
اور پنکھا جھلنے لگتا ہے)

سبطین : میرا خیال درست تھا مگر اِن نامعقول خاتون نے
(نواب زادہ کی طرف چھڑی سے اشارہ کرتے ہوئے) مجھے
دھوکا دیا۔

(سر غلام کھڑا ہو جاتا ہے کرسی میز کے نیچے کھسکاتا ہے احمد وقت
کی نزاکت کو دیکھ کر معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے)

احمد : (مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے) آداب بجالاتا
ہوں خان بہادر صاحب۔

سبطین : میں آپ سے کلام نہیں کرنا چاہتا (احمد پیچھے کو ہٹتا
ہے۔ سبطین لڑکیوں سے) شریف زادیوں کے یہ طریقے
ہوتے ہوں گے ؟ میری غیر موجودگی سے تم نے ناجائز
فائدہ اُٹھایا۔

احمد : خان بہادر صاحب۔

سبطین : آپ خاموش رہیئے میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتا۔

خالد : (احمد اور سبطین کے درمیان آکر) جناب عالی مجھے اجازت
دیں تو میں کچھ عرض کروں ؟

سبطین : (احمد کی طرف اشارہ کر کے) میں اِن صاحب زادے
سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں ، آپ سے نہیں۔

نواب زادہ : (سبطین کے قریب آکر) آپ کم بختوں کو منہ تو کھولنے نہیں دیتے، پوچھ کر ہی کیا ہو گا!

سبطین : (غصّے میں، خاتون اگر آپ دخل نہ دیں تو بہتر ہو گا۔ بے ہودہ!

نواب زادہ : آپ ابھی تک نشے میں ہیں (سبطین جانے لگتا ہے)

احمد : (سبطین کے قریب آکر) آپ شاید بھول گئے کہ معزز خواتین سے گفتگو کیسے کرتے ہیں۔

سر غلام : اور اِس کا بھی خیال نہ کیا کہ چند اور خواتین بھی اِس کمرے میں موجود ہیں۔

سبطین : بہر حال اِن خواتین کا اِس کمرے میں ہونا مجھے بے انتہا ناپسند اور ناگوار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ فوراً میرے ساتھ چلیں۔

احمد : یہ گفتگو پھر کسی موقع کے لئے ملتوی کر دی جائے تو بہتر ہو گا۔

نواب زادہ : بہت مناسب تجویز ہے۔ خان بہادر صاحب اِس وقت گھر جائیں اور مزید گفتگو کے لئے کسی موزوں موقع پر تشریف لے آئیں۔

سبطین : عورت میرے زعم ناقص میں آپ نہایت فاتر العقل ہیں۔ آپ اپنا منہ بند ہی رکھیں تو بہتر ہے۔ (دروازے

کے قریب جا کر) لڑکیوں چلو۔

نواب زادہ : دیکھئے احمد صاحب آپ پریشان نہ ہوں ۔
خان بہادر صاحب اِس وقت نشے میں ہیں ۔ دوسرے
ابھی ابھی یہ حماقت کا سیزن ٹکٹ خرید کر لائے ہیں (ثریا
اور نصرت ایک دوسرے کی طرف دیکھتی ہیں ۔ پھر بائیں
دروازے سے جانے لگتی ہیں ۔ مگر نواب زادہ اپنی
باہیں پھیلا کر سامنے کھڑا ہو جاتا ہے ۔ دونوں اِس کے
ہاتھ تھام لیتی ہیں)

سر غلام : جناب عالی آپ مسٹر لطیف کے مہمانوں سے ایسی
بدتمیزی نہیں کر سکتے۔

سبطین : میں اِن مہمانوں کو نہیں پہچانتا ۔ بے ہودہ !

سر غلام : (خالد سے) خالد میاں ذرا میرا تعارف تو کرا دیجئے۔

خالد : سبطین صاحب آپ سر غلام حیدر ہیں ۔ (سبطین کوئی
نوٹس نہیں لیتا)

سر غلام : یہ میرا لڑکا احمد سعید ہے (پھر نواب زادہ کی طرف
مڑ کر) اور یہ خاتون ــــــــ

نواب زادہ : (منہ پھلائے لڑکیوں کے درمیان میں کھڑا ہے ،
زنانی آواز میں) معاف فرمایئے میں اِن صاحب سے
نہیں ملنا چاہتی ۔ یہ بہت بدتمیز ہیں ، اور اب بھی نشے

میں ہیں۔

سبطین : مجھے بے انتہا صدمہ ہے کہ آپ لوگوں نے میری بچیوں کو بہکایا اور یہ میری اجازت کے بغیر اِن نوجوانوں کے کمرے میں آئیں۔

سرغلام : جی نہیں آپ کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یہ بچیاں خالد کی خالہ سے ملنے آئی تھیں۔

سبطین : (طنزاً) جی بجا فرمایا، اور آپ کے خیال میں مجھے اِس کا یقین آجانا چاہیئے۔

سرغلام : آپ کو دُنیا میں کسی بات کا یقین بھی آتا ہے کبھی ؟

سبطین : لاطائل گفتگو سے کوئی فائدہ نہیں۔

سرغلام : فائدے، نقصان کا تو میں قائل نہیں، آئیے میں آپ کو خالد کی خالہ سے ملواؤں (نواب زادہ کی طرف دیکھ کر) بیگم جعفر ششتر ودینو اور یہ ہیں خان

(احمد سے اسائیڈ) اس نامعقول کا کیا نام ہے ؟

احمد : سبطین۔

سرغلام : خان بہادر سبطین صاحب۔

سبطین : (اسائیڈ) بیگم جعفر ششتر ودینو، لکھ پتی بیوہ۔ (رویہ بدلتے ہوئے نواب زادہ سے) آپ کے مزاج کیسے ہیں محترمہ ؟

نواب زادہ : (طنزاً) شکریہ، میں خالد کی خالہ ہوں انڈونیشیا سے آئی ہوں۔ انڈونیشیا —— (احمد نواب زادہ کو دھکا دیتا ہے وہ سبطین پر گرنے لگتا ہے فوراً سنبھل جاتا ہے اور کورنش بجا لاتا ہے۔ پھر غصے سے احمد کو دیکھتا ہے)

سبطین : (اسائیڈ) بڑا غضب کیا میں نے (نواب زادہ سے) بیگم صاحبہ مجھے اُمید ہے کہ آپ میرا قصور معاف کر دیں گی۔

نواب زادہ : میرے خیال میں آپ نہایت بے ہودہ انسان ہیں۔ تاہم اگر آپ معافی کے خواستگار ہوں گے تو شاید معاف کر دئے جائیں گے۔

سبطین : دل و جان سے معافی خواہ ہوں۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے۔

نواب زادہ : اگر آپ کھانا ہمارے ساتھ کھائیں تو شاید ہم آپ کو معاف کر دیں (لڑکیاں جا کر کھانے کی میز پر بیٹھتی ہیں)

سبطین : بسر و چشم میں حاضر ہوں۔ مگر یہ بتلائیے کہ آپ نے مجھے معاف تو کر دیا؟

نواب زادہ : چلئے! کر دیا۔

(سب بیچ کی میز کی طرف بڑھتے ہیں اور داہنے ہاتھ

کی کرسی کی طرف جاتے ہیں، سرغلام اور سبطین دونوں
کرسی پر جھگڑتے ہیں اور نواب زادہ کو پیش کرتے ہیں۔
اور کھینچا تانی میں نواب زادہ دھم سے زمین پر بیٹھ جاتا
ہے۔ سب ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں)

دوسرا ایکٹ

باغ میں برآمدے کا ایک کونا۔ احمد کے کمرے کی کھڑکی اور دروازہ برآمدے سے دکھائی دیتا ہے۔ احمد کے نام کی پلیٹ۔ بید کا فرنیچر ایک چھوٹی گول میز، ایک بڑی میز، ایک بڑی کرسی، دو چھوٹی کرسیاں۔

جب پردہ اُٹھتا ہے تو فقیرا بیچ کی میز کے پاس کھڑا ہے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کشتی ہے۔ جس میں سگرٹ کا بکس راکھ دانی وغیرہ ہیں وہ ان چیزوں کو میز پر رکھتا ہے۔

فقیرا: اب تک تو معاملہ خوب چلا (بائیں کو دیکھ کر) نواب زادہ صاحب اپنا پارٹ کس خوب صورتی سے ادا کر رہے ہیں (دائیں کو دیکھ کر) ہاں البتہ صورت ذرا مردانی ہے مگر میں نے تو بہت سی عورتیں ایسی دیکھی ہیں جو دور سے مرد معلوم ہوتی ہیں۔ اس کی تو کوئی سند ہی نہیں (بائیں کو دیکھ کر) اور دونوں بڈھے رشتہ خطمی ہوئے جا رہے ہیں (ہنستا ہے)

اے کاش انہیں معلوم ہوتا کہ اصلیت کیا ہے ۔ میرے خیال میں سر غلام پر نظرِ کرم کچھ زیادہ ہے اور سبطین صاحب غریب بے کار دم دیئے دے رہے ہیں (قہقہہ لگاتا ہے) ۔ قسم قرآن شریف کی یہ کالج کے لونڈے بھی تو غضب ہی کرتے ہیں (قہقہہ لگاتا ہوا بائیں کو جاتا ہے)

احمد : (غصّے میں فقیرا کے پاس آکر) ہنس کیوں رہے ہو؟

فقیرا : حضور مجھے اپنی خالہ کا خیال آ رہا تھا ۔

احمد : کس کا ؟

فقیرا : حضور خالہ صاحب کا ۔

احمد : تمہیں اِن باتوں سے کیا مطلب ، جائیے جا کر چائے کا انتظام کیجئے ۔ سنا آپ نے ۔

فقیرا : چائے نہ سرکار ! بہت خوب !

احمد : یہیں پر ۔

فقیرا : (جاتے جاتے مڑ کر) یہاں سرکار ؟

احمد : گھور گھور کر دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ میں نے خاص طور سے اجازت لے لی ہے ۔

فقیرا : معاف کیجئے اب میں سمجھ گیا ۔ (کمرے کے اندر جاتا ہے)

احمد : ثریا ابھی تک نہیں آئیں نہ جانے کہاں رہ گئیں شکر ہے خدا کا کہ ابھی تک خیریت ہے ۔ (میز پر بیٹھ کر)

خدا سمجھے اس کم بخت باباخاں کو، لنچ پر دل رُک رُک گیا،
معلوم ہوتا تھا ہمارے ڈونگے ہی خالی کر دے گا منحوس کہیں کا
پیٹ ہے یا اندھا کنواں۔ خیر رسیدہ بود بلائے ولے بخیر
گذشت۔ (بائیں کو دیکھ کر) یہ سب کچھ تو ہے مگر ثریا سے
بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا۔ اب خدا خدا کر کے دس
بیس منٹ سکون و تنہائی کے نصیب ہوں گے۔ ثریا آتی
ہی ہوں گی۔ کوئی آ رہا ہے (کھڑا ہو جاتا ہے) وہ آ رہی ہیں
ثریا (خالد آتا ہے، دونوں ایک دوسرے کو غصّے سے
دیکھتے ہیں اور منہ پھیر لیتے ہیں) اب کم بخت تم نازل ہو گئے۔
مجھے ثریا سے اشد ضروری ملاقات کرنا ہے۔ آپ یہاں سے
ہو جائیے لو دو گیارہ۔

خالد: مگر مجھے بھی تو ملاقات کرنا ہے۔

احمد: ثریا سے؟

خالد: نہیں نصرت سے۔

احمد: معلوم ہوتا ہے ہم نے ملاقات کے لئے ایک ہی وقت
اور جگہ مقرر کر لی ہے۔ کیا مصیبت ہے۔ اب کیا ہوگا؟

خالد: (افسردہ ہو کر) ہوتا کیا۔ یہاں تو تمہارے کمرے ہیں،

احمد: (غصّے میں) جی اور آپ ٹھہرے میرے مہمان (خوش ہو کر)
چھوڑو اور (جیبیں ٹٹولتا ہے خالی ہیں) سن بتلی کر کے دیکھ لیں

جو جیتے وہ ملاقات یہاں کرے۔ پیسہ تو نہیں ہوگا تمہاری جیب میں؟ (خالد جیب میں سے چاقو، تتلی، ماچس چین والی چابی اور ایک اکنی نکالتا ہے)

خالد: بس ایک اکنی ہے کل کائنات۔

احمد: (اکنی لیتے ہوئے) ابھی ہو جاتا ہے فیصلہ (اکنی اچھالتے ہوئے) یا علی مدد۔ سن تمہارا اور نصرت کا پتلی، میری اور (ثریا کو بائیں طرف دیکھ کر) وہ آئی (اکنی جیب میں ڈال لیتا ہے)

خالد: یار میری تو کل کائنات ہی اکنی ہے۔ (ثریا اندر آتی ہے)

ثریا: احمد سعید صاحب، آپ یہاں ہیں؟

احمد: (خالد کو دیکھ کر) جی یہاں ہوں اور انتظار میں ہوں، (ثریا سے) میں تو سمجھا تھا تم بھول گئیں (خالد سے اسائیڈ) جاتے کیوں نہیں۔ یار کبھی تو سمجھ لیا کرو موقع کی نزاکت، (دائیں سے نصرت آتی ہے)

خالد: (احمد سے) میرا اور نصرت کا کیا ہوگا؟

نصرت: خالد لطیف صاحب آپ یہاں ہیں؟

خالد: ہاں میں آ ہی رہا تھا ــــــ میں تو انتظار میں تھا (احمد اور خالد ایک دوسرے کو گھورتے ہیں)

احمد: قہرِ الٰہی اسی کو کہتے ہیں۔ (دفعتاً) ارے خالد تم نے مس سبطین

کو باغ کی سیر نہیں کرائی ۔

خالد : (گری آواز میں) دو تین بار اور ابھی وہیں سے آ رہا ہوں ۔ (نصرت سے اسائیڈ) کم بخت پنڈ ہی نہیں چھوڑتا ۔ کیا بوریت ہے ۔

احمد : (نصرت سے) بڑا خوب صورت باغ ہے ۔

نصرت : یقیناً اچھّا ہو گا ۔

احمد : اچھّا ہو گا (خالد اور نصرت کے پیچھے جا کر کندھوں پر ہاتھ رکھ کر) تم نے باغ اچھّی طرح سے نہیں دیکھا کم از کم مس سبطین نے تو نہیں دیکھا (ثریا دُور کھڑی مسکرا رہی ہے)

خالد : مگر احمد میں ——

احمد : خالد مس سبطین کو اپنی تازہ ترین غزل ضرور سناؤ :
"حسن کا قصّہ ہو شاعر کو بیاں کرنا پڑے"

خالد : (پریشان ہو کر احمد سے اسائیڈ) یار نصرت کو تو مت بتاؤ میں شعر کہتا ہوں وہ سمجھے گی میں بالکل ہی گدھا ہوں ۔

احمد : اچھا تو جاؤ پھر مس سبطین کو جا کر موتیا گلاب چمیلی اور اور گوبھی کے پھول دکھلاؤ ۔ مس سبطین بھول گئے گا نہیں آدھے گھنٹے میں چلائے ہو گی ۔

نصرت : بہت خوب احمد سعید صاحب ۔

خالد: (نصرت آگے آگے اور خالد پیچھے پیچھے جاتے ہیں، رک کر مڑتا ہے) مگر یار احمد اور سب لوگ بھی باغ میں ہی ہیں۔ بابا خاں نے سب کا ناطقہ بند کر رکھا ہے (ثریا میز پر بیٹھ جاتی ہے)

احمد: تو مت جاؤ کم بخت کے قریب۔ اتنا بڑا باغ ہے کسی دوسرے کونے میں کیوں نہیں چلے جاتے (خالد کو دھکیل کر بھیج دیتا ہے، پھر ثریا کے پاس جاتے ہوئے دعائیں مانگ کر یہ تنہائی نصیب ہوئی ہے۔

ثریا: (چھیڑتے ہوئے) مگر اس تنہائی کی خاطر اُن دونوں کو یوں بھگا دینا خود غرضی تو نہ تھی؟

احمد: ہم نے تو اُنکی اچھال کر طے کیا تھا۔

ثریا: (بن کر حیرت سے مڑتے ہوئے) کیا کر کے؟

احمد: میرا مطلب تھا ـــــــ وہ دونوں۔ وہ اکیلے باغ میں ہی خوش رہیں گے۔ دوسرے مجھے یہ ڈر تھا کہ آپ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ سے بے اعتنائی برت رہا ہوں۔

ثریا: (شوخی سے) نہیں بھلا، میں کیوں سمجھنے لگی۔ اور دوسرے آپ میرے زر خرید تھوڑے ہی ہیں کہ تمام وقت مجھ ہی سے نتھی رہیں گے (اُٹھ کر باہر کو جاتی ہے) آج بہت تفریح رہی، اور اب ـــــــ

احمد: ہاں اور اب ؟ (ثریا کے پیچھے جاتے ہوئے)
ثریا: اب کیا۔ بس اب چلنا چاہیئے۔
احمد: ابھی سے یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟
ثریا: (بھویں اوپر کو چڑھاتے ہوئے) آخر کیوں نہیں ؟
احمد: جب تک میں آپ سے عرضِ مدّعا نہ کر لوں، آپ کیسے چلی جائیں گی ؟ (جوش سے) پیاری مس حسین نہیں ثریا (بڑھ کر اُس کی کمر میں ہاتھ ڈالنا چاہتا ہے۔ ثریا حیرت کا اظہار کرتی ہوئی دور ہٹ جاتی ہے بن کر دیکھتی ہے۔ احمد فوراً قاعدے میں کھڑا ہو جاتا ہے) آپ بیٹھیئے گا نہیں۔ (کرسی بڑھاتا ہے پھر میز کی دوسری طرف جاکر) مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کہنا ہے۔
ثریا: (میز پر بیٹھے ہوئے) واقعی ؟ مجھے اِس کا علم نہ تھا،
احمد: مس حسین بعض دفعہ آدمی کو بہت سوچنا پڑتا ہے اور بہت دیر تک سوچنا پڑتا ہے۔
ثریا: شاید! (بے خیالی میں ہاتھ میز پر رکھتی ہے)
احمد: اور پھر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اگر وہ سوچنا بند کر دے تو سارا معاملہ گڑبڑ ہو جاتا ہے۔
ثریا: ہاں ؟

احمد: تو پھر مس حسین ـــــ ثریا ـــــ میری پیاری ثریا۔
(ثریا کا ہاتھ تھامنے ہی کو ہے کہ سر غلام آتا ہے)
سر غلام: ـ احمد، احمد (ثریا کھڑی ہو جاتی ہے، ثریا سے) معاف کرنا بیٹی۔ مجھے احمد سے ایک بات کہنا ہے)
احمد: فرمایئے ابا جان۔
ثریا: (بائیں کو جاتے ہوئے) احمد سعید صاحب تو میں چلی باغ میں موتیا گلاب، چنبیلی اور گوبھی کے پھول دیکھنے
(احمد جھنجھلاتا ہے ثریا باہر جاتی ہے)
احمد: (بیچ اسٹیج پر آ کر) اب فرمایئے ابّا جان۔
سر غلام: احمد بیٹے تمہاری خاطر دنیا کی ہر قربانی دینے کو تیار ہوں۔ بس تمنّا ہے تو یہ کہ تم پھولو پھلو۔ اِس لئے میں نے یہ طے کیا ہے کہ ـــــ
احمد: مجھے اِس کا یقین ہے ابّا جان۔
سر غلام: اِسی وجہ سے میں نے اپنی رائے بدل دی۔ میرے خیال میں کسی مال دار خاتون سے شادی بہت مناسب رہے گی۔
احمد: بے شک، مگر وہ کون ہیں؟
سر غلام: مجھے حیرت ہے کہ تم ابھی تک نام نہیں بوجھ سکے۔
احمد: جی ہاں، سمجھ میں نہیں آ رہا۔

سر غلام: بیگم جعفر ششتر ودینو۔
احمد: کیا فرمایا! (سیج اسٹیج جاکر اسائیڈ) غضب خدا کا (سر غلام سے) ابا جان ناممکن قطعی ناممکن!
سر غلام: ناممکن، کیوں؟ مگر یہ تمہاری ہی تجویز تو تھی اور محض تمہاری خوشی کی خاطر میں اس بات پر رضامند ہو گیا ہوں
احمد: مگر ابا جان ایسا نہیں ہو سکتا۔
سر غلام: (رازداری کے لہجے میں) کیوں کیا وہ عورت آوارہ ہے؟
احمد: نہیں ابا جان آپ ایسا کر نہیں سکتے۔ آپ کو کرنا نہیں چاہیے۔
سر غلام: کرنا نہیں چاہیے، نہیں کر سکتے۔ آخر یہ کیا بکواس ہے میرے خیال میں تو یہ نہایت مناسب ہو گا۔ دوسرے بیگم مدینو مجھے بے حد پسند آئیں۔ بہت دل حسپ خاتون ہیں (موچھوں پر تاؤ دیتا ہے) اور پھر انہوں نے مجھ سے اظہار محبت بھی کیا ہے۔ میں ابھی جاکر انہیں شادی کا پیام دیتا ہوں۔ ورنہ سبطین صاحب انہیں لے اڑیں گے (سر غلام بائیں سے باہر جاتا ہے)
احمد: (دائیں کو جاتے ہوئے) بابا خاں کو خدا غارت کرے نہ جانے کیا قیامت برپا کر رکھی ہے۔ دونوں بڈھوں کو دیوانہ کر دیا ہے۔
خالد: (بائیں سے اندر آتا ہے احمد کے پاس پہنچ کر) احمد،

احمد، خدا کے لئے بابا خان کی خبر لو۔ نہ جانے نصرت کو لے کر کہاں غائب ہو گیا ہے۔

احمد: تمہیں نصرت کی پڑی ہے۔ یہاں ایک اور آفت آرہی ہے۔

خالد: کیوں خیر تو ہے۔ بتاؤ تو سہی؟

احمد: ابا جان بابا خاں سے شادی کے پھیر میں ہیں۔

خالد: یا اللہ اگر بھانڈا پھوٹ گیا تو ایسی پٹائی ہوگی کہ ہم سب کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔

احمد: یار تم ہی بتاؤ کہ اور کرتے بھی کیا۔ وہ تمہاری خالہ کم بخت نے گڑبڑ کر دی، جی چاہتا ہے گلا گھونٹ دوں اُن کا۔

خالد: (رونکھنے سے ہو کر) پھر اب کیا ہوگا؟

احمد: بہر حال تمہارے رونے سے تو کچھ نہیں ہوگا۔ ابھی سوچ کر بتاتا ہوں (خالد کو دھکیلتا ہوا لے جاتا ہے، سر غلام اندر آتا ہے)

سر غلام: (بیچ اسٹیج پر آکر) ابھی ہوا جاتا ہے فیصلہ یا ہم ہوں گے یا سبطین۔ ایک میان میں دو تلواریں ہرگز نہیں رہ سکتیں۔ ذلیل انسان (کرسی پر بیٹھ کر دائیں بائیں دیکھتا ہے، گویا کسی کا انتظار ہے) ہائے:

"رات کے وقت مے پیئے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ خدا کرے کہ یوں"

سبطین : (دائیں سے داخل ہوتا ہے داہنے کو دیکھتا ہے سر غلام کو نہیں دیکھتا کسی کے انتظار میں ہے) آہ!

نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اس کی ہیں

تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں

سر غلام : آپ یہاں کیسے ؟

سبطین : آپ یہاں کیسے ؟

سر غلام : (اسائیڈ) نہ جانے یہ بلائے ناگہانی کہاں سے نازل ہوگئی (سبطین سے) آپ کو کس کی تلاش ہے ؟

سبطین : جس کی آپ کو۔

سر غلام : یعنی ؟

سبطین : تنہائی کے دو چار لمحے۔

سر غلام : (اسائیڈ) کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اِس سے پیچھا کیسے چھڑاؤں۔ (سبطین سے) سگریٹ نوش فرمائیے (سگریٹ دیتا ہے)

سبطین : شکریہ، میں سگریٹ نہیں پیتا۔

سر غلام : سگار سے شوق ہے ؟ (سگار دیتا ہے)

سبطین : جی نہیں شکریہ۔

سر غلام : سگریٹ نہیں پیتے، سگار سے شوق نہیں تو آپ باغ میں خواتین کے پاس تشریف رکھئے (دائیں کو بیٹھ کر سگریٹ پیتا ہے)

سبطین : آپ نے درست فرمایا (اسائیڈ) بیگم شاید باغ میں ہیں
(بائیں سے باہر جاتا ہے)

سرغلام : (بائیں کو جاتا ہے گھڑی دیکھتا ہے)، نہ جانے بیگم ابھی تک
کیوں نہیں آئیں !

احمد : (بائیں سے آتا ہے، بوکھلایا ہوا ہے) آبا جان آپ نے
بیگم کو کہیں دیکھا ؟

سرغلام : کیوں ؟ نہیں تو۔

احمد : (اسائیڈ) یا اللہ تیرا شکر۔

سرغلام : میں اُنہیں کا انتظار کر رہا ہوں۔

احمد : انتظار ؟

سرغلام : ہاں میں اُن سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں
وہ ابھی آتی ہی ہوں گی، تم جاؤ اپنا کام کرو۔

احمد : (اسائیڈ) میں جاکر باباخاں کو خبردار کر دوں (سرغلام سے)
میرے خیال میں تو وہ باغ میں تشریف رکھتی ہیں میں نے
ابھی اُنہیں وہیں بیٹھے دیکھا تھا۔

سرغلام : ارے غضب ہو گیا۔ سبطین بھی تو باغ ہی کی طرف
گئے تھے (بائیں سے باہر جاتا ہے)

احمد : یہ باباخاں پاجی ایسا غائب ہوا ہے جیسے گدھے کے
سر سے سینگ (خالد اندر آتا ہے احمد مڑ کر) کہو کہیں پتہ چلا

بدمعاش کا ؟

خالد : (پریشان حال ہے، ٹوپی کھسک کر گدّی پر آگئی ہے، کہیں نہیں کہیں نہیں مل رہا اور نصرت بھی تو غائب ہے ۔

احمد : (دانت کچکچا کر) مل تو جائے چر کِٹا ایسا ٹھیک بناؤں کہ یاد کرے ۔

نصرت : (نصرت اور نواب زادہ مسکراتے ہوئے اندر آتے ہیں) خالد صاحب آپ یہاں ہیں ۔ آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم کھو گئے ۔

خالد : ہاں کچھ خوف تو یہی تھا (خالد اور نصرت گفتگو کرتے ہیں)

احمد : نواب زادہ سے اسا ئیڈ) کہاں غائب ہو گئے تھے لڑکی کو لے کر ؟

نواب زادہ : کہیں بھی نہیں (گھوم کر لہنگا پھڑکاتے ہوئے ۔ دُور پیچھے جا کر کھڑا ہو جاتا ہے، اور لہنگے کو ٹھوکر مارتا ہے)

احمد : حضرت آپ ذرا یہیں تشریف رکھئے مجھے کچھ عرض کرنا ہے ۔

نواب زادہ : ہاں !

احمد : (آواز سے) خالد کیا مس سبطین نے ہماری یونیورسٹی کی مسجد دیکھی ؟ (خالد احمد کے پاس سے گزرتا ہے احمد اسائیڈ)

تم نصرت کو لے جاؤ، اور میں لیتا ہوں اس پاجی کی خبر (نصرت اور خالد کے درمیان دائیں کو جاتے ہوئے) مس سبطین مسجد ضرور دیکھئے۔ سر سید مرحوم نے اس کی بنیاد ڈالی تھی (نصرت جاتی ہے نواب زادہ احمد کے بائیں کو جاتا ہے)

خالد: احمد، باباخاں سے کہہ دو، ذرا ہوش میں رہے ورنہ میں اس کا سر توڑ دوں گا (نواب زادہ غصّے میں خالد پر لپکتا ہے احمد بیچ بچاؤ کرتا ہے خالد احمد کے کندھے کے اُوپر سے نواب زادہ کو ایک تھپڑ مارتا ہے۔ نواب زادہ پنکھیا سے خالد کی ٹوپی اُچھال کر پھینک دیتا ہے۔ احمد خالد کو زبردستی چلتا کرتا ہے۔ خالد اپنی ٹوپی اُٹھا کر دائیں سے چلا جاتا ہے)

احمد: (غصّے میں مڑتا ہے نواب زادہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اُلٹے پاؤں ہٹتا ہے مگر خاموش ہے احمد نواب زادہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے) ذرا میں بھی تو سنوں کہ تم نے یہ کیا غدر مچا رکھا ہے؟

نواب زادہ: کون سا غدر!

احمد: تم تو ہماری مدد کر رہے تھے!

نواب زادہ: جو کچھ میرے بس میں ہے وہ سب کر رہا ہوں۔

احمد: (گھونسا دکھاتے ہوئے) ایسی کی تیسی تیرے بس کی دونوں بڈھوں کو دیوانہ کر رکھا ہے (غصّے میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بائیں کو جاتا ہے) اور لڑکیوں کو —

نواب زادہ: (بڑے بڑے قدم لیتا اُس کے پیچھے جاتا ہے) بھلا اِس میں پریشان ہونے کی کون سی بات ہے؟

احمد: اِس وقت بحث کا موقع نہیں۔ مگر بابا خاں خدا کے واسطے ہوش میں آؤ۔ ابا جان تمہیں شادی کا پیام دینے والے ہیں۔

نواب زادہ: (بیچ اسٹیج آکر) اِس میں کیا حرج ہے (کچھ سوچ کر) دیکھو احمد خبردار جو تم نے مجھے مجبور کیا۔ میں تمہارے والد سے ہرگز بھی شادی نہیں کروں گا۔

احمد: (پاس جاتے ہوئے) سر پیٹ لینے کو دل چاہتا ہے۔ کم عقل میں تو چاہتا ہوں کہ بھانڈا پھوڑے بغیر تم شادی سے انکار کر دو۔

نواب زادہ: یار میرے تو ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے ہیں، شادی کا پیام ہے کوئی ہنسی مذاق تو نہیں۔

احمد: بس یہ یاد رکھو کہ تم سچ مچ ایک معمّر خاتون ہو۔

نواب زادہ: حد ہو گئی۔ بھلا یہ کیسے یاد رکھوں کہ میں سچ مچ ایک معمّر خاتون ہوں (لہنگا اُٹھا کر پتلون گھٹنوں تک دکھاتا ہے)

جب کہ مستقل پتلون ڈاٹے ہوئے ہوں۔

احمد : (جلدی سے لہنگا کھینچ کر درست کرتا ہے) پتلون کی پرواہ نہ کرو۔ (بائیں ہاتھ دیکھ کر) خبردار ابا جان آ رہے ہیں (باہر جانے لگتا ہے)

نواب زادہ : (احمد کے پیچھے جا کر اُسے پکڑ لیتا ہے) یہ تو بتلاتے جاؤ کہوں کیا؟ (بائیں کو دیکھ کر) اس سے پہلے مجھے کسی مرد نے شادی کا پیام نہیں دیا۔

احمد : کہہ دینا، آپ نے پیام بہت ایکا ایکی دیا۔ اجی کچھ کہہ دینا مگر انکار کر دینا۔

نواب زادہ : ٹھیک کہتے ہو۔ میں انکار کر دوں گا۔ (احمد جاتا ہے، نواب زادہ برآمدے میں چھپ جاتا ہے۔ سر غلام گھڑی دیکھتے ہوئے اندر آتا ہے)

سر غلام : (نہ جانے کیا گڑبڑ ہو گئی۔ دائیں کو جا کر باہر دیکھتا ہے) اِس ملاقات کی تجویز تو بیگم نے خود پیش کی تھی۔ اور اب غائب ہیں۔ (بیچ اسٹیج میں آکر) خیر عورتیں عام طور پر وقت کی پابند نہیں ہوتیں۔ (نواب زادہ گردن نکال کر دیکھتا ہے پھر پنکھیا ہلاتا ہوا بڑے انداز سے آتا ہے)

نواب زادہ : اوئی، اوئی۔

(سر غلام مڑ کر نواب زادہ کو دیکھتا ہے ادب سے کھڑے ہو کر تسلیم کرتا ہے۔ نواب زادہ بڑے انداز سے شرما کر

سر غلام کو دیکھتا ہے، پھر پنکھیا ہلانے لگتا)

سر غلام: آداب عرض ہے بیگم صاحبہ، انتظار کرتے کرتے آنکھیں پتھرا گئیں۔ میں تو باغ میں گیا تھا، آپ کی تلاش میں۔ (نواب زادہ ذرا دور جا کر کھڑا ہو جاتا ہے) کس زبان سے شکریہ ادا کروں تشریف آوری کا۔

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حال دل اور آپ فرمائیں گے کیا؟

نواب زادہ: آپ یہ شعر کیا میری شان میں پڑھ رہے ہیں؟

سر غلام: قطعی طور پر آپ کی شان میں (دائیں کو جا کر اسائیڈ چلو بسم اللہ تو ٹھیک ہو گئی۔

نواب زادہ: (اسائیڈ) سمجھ میں نہیں آتا کیا جواب دوں (سر غلام سے) بہت حسین شعر ہے۔

سر غلام: بیگم صاحبہ بندہ تو حسین جواب کا منتظر ہے۔ میں تو آپ کی تعریف میں دیوان لکھ سکتا ہوں دیوان۔

تب تو آپ ضرور دیوانے ہو جائیں گے۔ آیئے میرے پاس بیٹھئے۔ (کرسی کی طرف اشارہ کر کے)

سر غلام: زہے نصیب کہ آپ مجھے اپنے قریب بلائیں (بیٹھ جاتا ہے) بیگم آپ میرے خواب کی تعبیر ہیں میرے دل کی ملکہ (دل پر ہاتھ رکھ کر) آؤ میں تمہیں اپنی زندگی کے سنگھاسن پر بٹھالوں

(نواب زادہ کی طرف جھک کر) تمہارے سوا میرے دل کی اُجڑی بستی کو کوئی آباد نہ کر سکے گا۔ آؤ ہم تم ایک ہو جائیں

نواب زادہ : (اسائیڈ) ماشاء اللہ طبیعت زوروں پر ہے (سر غلام سے آہ سرد بھر کر) اے کاش میں اس قابل ہوتی، مگر ہائے مجبوری نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔

سر غلام : معاف فرمائیے گا بیگم تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ —— آپ (کھڑا ہو جاتا ہے)

نواب زادہ : میں مجبور ہوں۔ میں آپ کی بیوی بننے کے قابل نہیں میں کسی اور کی ہو چکی ہوں۔

سر غلام : کسی اور کی ؟

نواب زادہ : آپ اپنا دل میلا نہ کیجئے میں آپ کو ایک ترکیب بتاتی ہوں۔

سر غلام : بتائیے خدا کے واسطے جلد بتائیے۔

نواب زادہ : میں آپ کی بہن بنی جاتی ہوں۔

سر غلام : بہن ! صرف بہن !

نواب زادہ : جی صرف بہن۔ اِس سے رتی بھر کم نہ رتی بھر زیادہ

سر غلام : کیا میری سب تمناؤں کو آپ یوں خاک میں ملا دیں گی !

نواب زادہ : سر غلام میں کیسے کہوں، اصل میں میری کچھ مجبوریاں ایسی ہیں جو قابلِ بیان نہیں۔

سر غلام: تو چھوڑیے اِس قصے کو۔ بھلا کیوں چھیڑی یہ داستان۔
(اپنی چھڑی اُٹھا کر جانے لگتا ہے)

نواب زادہ: سر غلام اِس عزّت افزائی کا شکریہ۔ آپ نے ذرّے کو آفتاب جانا۔ (اسائیڈ) جڑ کٹ گئی نخلِ آرزو کی! (سر غلام بائیں سے جاتا ہے احمد دائیں سے اندر آتا ہے۔ نواب زادہ کھڑے ہو کر) چلو یہ قصہ تو تمام ہوا۔

احمد: (نواب زادہ کی گردن دبوچ کر) بدتمیز، بے ہودہ بھلا ابّا جان کو اِس طرح بنانے کی کیا ضرورت تھی؟

نواب زادہ: نہ بنتے وہ بے وقوف اتنا خیال تو سمجھا کیوں نہ دیا۔ تم نے سنا بھی وہ میری شان میں کیا کیا قصیدے پڑھ رہے تھے۔

احمد: جی ہاں خواب کی تعبیر کہہ رہے تھے۔

نواب زادہ: یار بڑا ہی بھیانک خواب ہوگا۔

احمد: تم نے فوراً بات کاٹ کر انکار کیوں نہ کر دیا؟

نواب زادہ: جب تک وہ شادی کا پیام نہ دیتے میں انکار کیوں کرتا، کوئی خاتون اور وہ بھی معمّر اور شریف ایسی حرکت نہیں کر سکتی اور تم، تمہارا بس چلے تو تم میری شادی اِس بڑھے سے کرا دو اور پھر میں طلاق لینے عدالتوں میں ٹاپتا پھروں (بائیں کو دیکھ کر) وہ آئے سبطین صاحب (آستین چڑھاتے ہوئے مُکّا دکھا کر) جی چاہتا ہے ایک دوں

ناک پر (نواب زادہ لہنگا اُٹھائے ہوئے آگے آگے، اور احمد پیچھے پیچھے جاکر ستون کی آڑ میں چھپ جاتے ہیں۔ سبطین اندر آکر کرسی پر بیٹھتا ہے)

سبطین: مایوسی کے عالم میں ادھر اُدھر دیکھ کر)

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

(نواب زادہ کو جاتے ہوئے دیکھ کر اُس کا پیچھا کرتا ہے، دونوں باہر چلے جاتے ہیں)

احمد: سبطین صاحب دیوانوں کی طرح باباخاں کا پیچھا کر رہے ہیں (کھڑے ہو کر دائیں کو دیکھتا ہے) چلوں ذرا دیکھیں ثریا کیا کر رہی ہے؟ کاش خالد کی خالہ وقت پر آجائیں تو یہ مصیبت کاہے کو مول لیتے، نفرت ہوگئی کم بخت کے نام سے (بائیں کو جاتا ہے)

بیگم: (باہر سے) پہلا دروازہ بائیں کو؟ شکریہ (اندر آتی ہیں ہاتھ میں انڈونیشیا کا پنکھا ہے۔ رخسانہ پیچھے پیچھے آتی ہے بیگم چالیس سال کی خوش رو اور خوش پوش عورت ہے۔ خوش طبع اور خوش مذاق۔ معاملے کو فوراً سمجھ کر اُس پر چھا جانے والی۔ اب سارے ڈرامے کو اس کی شخصیت تھامے رہے گی۔ اس وقت ہلکے آسمانی رنگ کی ساڑھی

باندھ رکھی ہے۔

(رخسانہ سولہ سترہ برس کی خوب صورت سی دوشیزہ ہے، بھوپالی لباس پہنے ہوئے ہے۔ رومانی قسم کی لڑکی بہت حسّاس اور ذہین چہرہ۔ ہاتھ میں چھوٹا سا کارچوبی بٹوا ہے جس سے مستقل کھیلتی رہتی ہے)

بیگم : کیوں رخسانہ چپراسی نے یہی بتایا تھا کہ بائیں کو پہلا دروازہ ہے؟

رخسانہ : جی ہاں، یہ رہا "مسٹر احمد سعید حیدر" دستک دوں؟

بیگم : ہاں دو (رخسانہ دستک دیتی ہے) احمد سعید حیدر کچھ سنا ہوا سا نام ہو جیسے (رخسانہ سے) نہ جانے میرا بھانجا اپنے کمرے میں کیوں نہیں رہتا۔ بے کار ادھر سے اُدھر پریشان ہوتی پھر رہی ہوں۔

رخسانہ : آپ نے تار جو دے دیا تھا کہ آپ نہ آسکیں گی۔

بیگم : یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہو۔

رخسانہ : اور پھر ایک دم سے رائے بدل دی۔

بیگم : (میز کے پاس جاتے ہوئے) شاید ایسی بات میں نے عمر میں پہلی بار کی ہے۔

رخسانہ بھلا کیوں؟

بیگم : بس یوں ہی، تاکہ دیکھوں تو کہ اگر بے خبری میں چلی آؤں

تو کیا ہوتا ہے ۔ ذرا بھر دینا دستک (پنکھا جھلتی ہے
رخسانہ دستک دیتی ہے)
رخسانہ : (واپس آتے ہوئے) چوکی دار کہہ رہا تھا کہ شاید یہ لوگ
باغ میں ہیں (چاروں طرف دیکھتی ہے پھر مچل کر کہتی ہے)
ہائے کتنی حسین جگہ ہے، جی چاہتا ہے سارا دن یہیں گھوما
کروں (ٹہلتی ہے)
بیگم : تم شاعری کیے جاؤ، میں یہاں بیٹھی جاتی ہوں ۔ تھوڑی دیر
میں کوئی اللہ کا بندہ تو ادھر کا رخ کرے ہی گا ۔
رخسانہ : (چاروں طرف دیکھنے بھالنے کے بعد بیگم کی کرسی کے
پیچھے کھڑی ہو جاتی ہے) کتنا حسن، کتنی رعنائی ہے اس فضا
میں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کے سارے حسین خواب اور
موسیقی کی تمام لطافتیں سمٹ کر ایک مرکز پر جمع ہو گئی ہیں
مگر شاید یہ سب کچھ میرا تصوّر ہو اور حقیقت سے اسے
کوئی تعلق ہی نہ ہو ۔
بیگم : (دور فضا میں دیکھتے ہوئے)

غزل اُس نے چھیڑی مجھے ساز دینا
ذرا عمرِ رفتہ کو آواز دینا

رخسانہ : (بیچ اسٹیج پر آکر) کیسا سہانا منظر ہوتا ہوگا ۔ جب
یہاں چاروں طرف چاندنی چھٹکی ہوئی ہو اور دائیں بائیں

پھول ہی پھول ہوں۔ جب سائے پر خطر و پُر اسرار نہ ہوں
اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ شاعر کے سارے نغمے ان پر سکون
سایوں تلے آرام کی گہری نیند سو رہے ہیں اور پھر کوئی چپکے سے
آکر ان خوابیدہ نغموں کو بیدار کر دے اور میری آرزوؤں کی
نیند ٹوٹ جائے۔

بیگم : میری ننھی شاعرہ کس نے تمہیں سکھا دیا یہ احساس یہ درد؟

رخسانہ : (بیچ کی میز پر بیٹھ جاتی ہے کھوئی کھوئی رہتی ہے) میں خود
نہیں جانتی کہ مجھے کس نے سکھا دیا یہ سب کچھ۔

بیگم : (چھیڑتے ہوئے) آؤ ہم بتائیں۔ تمہیں کس نے سکھا دیا یہ
سب کچھ۔

رخسانہ : کسی نے نہیں سکھایا۔ یہاں کی فضا ہی کچھ ایسی ہے۔
(بیگم کے پاس آکر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہے)

بیگم : (شرارت سے) وہاں کی فضا بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ سمندر
کے کنارے جب چاندنی ننھی ننھی موجوں سے کھیل رہی
تھی، تو کس نے کہا تھا تم سے "اے میرے مقدّر کے
روشن ستارے چمک اور ہمیشہ چمک" بہت چرب زبان
تھا وہ نوجوان۔ کیا نام تھا بھلا اُس کا؟

رخسانہ : (شرما کر) میں کئی بار آپ کو اُن کا نام بتا چکی ہوں۔

بیگم : (مسکرا کر) نواب زادہ حبیب احمد خاں! مگر رخسانہ تم نہ

سوچا کرو ایسی باتیں (لہجہ بدل کر) ارے ہاں بیٹا میں
تمہیں بتانا ہی بھول گئی کہ تمہارے ابا جان نے جو روپیہ
چھوڑا تھا اُسے میں نے تجارت میں لگا دیا ہے۔ چلو اب
تم ہم سے تو بے نیاز ہو گئیں۔

رخسانہ : (سوچ کر) بے نیاز ؟

بیگم : نہیں میں تو چھیڑ رہی تھی۔ مجھے تم سے ایسی توقع نہیں۔

رخسانہ : نہیں نا ؟

بیگم : رخسانہ تمہیں میری محبّت مجھ سے بے نیاز نہ ہونے دے
گی۔ تمہیں اندازہ نہیں ہو سکتا کہ تم کس حد تک میری زندگی
کا ایک جز بن گئی ہو۔ تم مجھے خالہ اماں کہا کرو۔

رخسانہ : (کھڑے ہو کر بیگم کے گلے میں بانہیں ڈال کر اُسے پیار
کرتی ہے) میری اچھّی خالہ امّاں۔ (کرسی کے پاس کھڑی
ہو جاتی ہے)

بیگم : رخسانہ نہ جانے تمہارے ابا جان کے پاس ایک دم سے
اتنی بڑی رقم کہاں سے آگئی ؟

رخسانہ : (جھجکتے ہوئے) ابّا نے تاش میں جیتی تھی۔

بیگم : تاش میں، کب ؟

رخسانہ : (نظریں نیچی کر کے) بیماری کے زمانے میں۔

بیگم : کس سے جیتی ؟

رخسانہ : (تامُل کے ساتھ) نواب زادہ حبیب احمد خاں سے۔
بیگم : کیا نواب زادہ حبیب جُوا کھیلنے کے عادی ہیں؟
رخسانہ : نہیں تو۔
بیگم : (معاملے کو سمجھ کر مسکراتی ہے) اچھا!
رخسانہ : خالہ اماں، آپ کے خیال میں جب کبھی میں اُن سے ملوں تو کیا یہ رقم اُنہیں واپس کر دوں؟
بیگم : میرے خیال میں تو وہ یہ رقم واپس نہیں لیں گے۔
رخسانہ : کیوں نہیں؟
بیگم : معلوم ہوتا ہے۔ یہ رقم اُنھوں نے بڑی محنت سے ہاری ہوگی (لہجہ بدل کر) تو میں بھی اُسی کی طرف داری کرنے لگی ـ میں تمہیں اپنے سے کبھی جدا نہ کر پاؤں گی —— پیاری (ہنستی ہے) آج تم نے میرے دل میں کسی کی یاد کو تازہ کر دیا۔
رخسانہ : میں نے، کس کی یاد کو؟
بیگم : تم نے آج میری زندگی کے بربط خاموش کے تاروں کو چھیڑ دیا۔ انڈونیشیا جانے سے پہلے جب میری عمر تمہارے برابر تھی تو میں اُن سے ملی —— وہ مجھے اپنے مقدّر کا روشن ستارا تو نہ کہہ سکا۔ مگر اپنی بے زبانی میں اور بہت کچھ کہا جو آج تک ایک ایک کرکے مجھے یاد آرہا ہے۔

جیسے میری خوابیدہ آرزوئیں دھیرے دھیرے جاگ رہی ہوں۔

رخسانہ : خالہ اماں پھر کیا ہوا تھا ؟ (گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہے)

بیگم : پھر تقدیر نے ہمیں ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور پھینک دیا۔

رخسانہ : (ذرا ڈرتے ڈرتے) تو کیا —— آپ سے —— بغیر ——

بیگم : ہاں بغیر کہے سنے۔

رخسانہ : (افسوس کے ساتھ) ہائے خالہ اماں (منہ تکنے لگتی ہے)

بیگم : (جذبات کے ساتھ) جب ہم آخری بار ملے تو چاندنی رات تھی۔ اس کے بعد ہم ایک دوسرے کو کبھی نہ دیکھ پائے۔

رخسانہ : (جذباتی لہجے میں) تو کیا آپ نے اس کے بعد کسی اور کو نہیں چاہا ؟

بیگم : (مسکراتی ہے) میں بڑی جذباتی لڑکی تھی۔

رخسانہ : ان کا کیا نام تھا خالہ اماں ؟

بیگم : غلام احمد حیدر (کھڑی ہو جاتی ہے یادپر زور ڈالتی ہے، احمد کے کمرے کی طرف دیکھتی ہے) بڑی عجیب بات ہے۔

(رخسانہ کھڑی ہو جاتی ہے۔ سر غلام اندر آتا ہے۔ سر غلام سے)

ہم شاید مخل ہو رہے ہیں ؟

سر غلام : نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ تشریف رکھئے۔ میں اپنے لڑکے

سے ملنے آیا تھا۔ وہ ہے اُس کا کمرہ۔

بیگم : جناب کا اسم گرامی۔

سر غلام : خاکسار کو غلام کہتے ہیں۔

بیگم : معاف فرمائیے گا کیا جناب کا پورا نام غلام احمد حیدر تو نہیں؟

سر غلام : (دل چسپی سے) جی نام تو یہی ہے۔

بیگم : تو شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟

سر غلام : (حسرت سے) معاف فرمائیے مجھے بالکل یاد نہیں آ رہا۔

بیگم : آج سے بیس بائیس برس اُدھر کا واقعہ ہے (رخسانہ کو دیکھتی ہے)

سر غلام : بیس بائیس برس اُدھر!

بیگم : (رخسانہ سے اسائیڈ) بالکل بھول گئے۔

سر غلام : (اسائیڈ) بیس بائیس برس، نہ جانے میں کہاں تھا تب!

بیگم : کیا صدیقہ جمال کو بھول گئے آپ۔ وہ شام یاد کیجیے جب آپ ولائت کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔

سر غلام : (جیسے سب کچھ یاد آ جائے) نہیں بالکل نہیں بھولا ہوں۔

بیگم : اُسی شام کا ذکر ہے۔

سرغلام : صدیقہ (بیگم کا ہاتھ تھام لیتا ہے) واللہ (جذبات کے ساتھ رخسانہ بائیں کو جاتی ہے اور بڑی دلچسپی سے دیکھتی ہے) شاید آپ کو خیال نہیں کہ اسی شام میں آپ کو شادی ـــــ آہ کچھ نہیں، آپ اس دن کتنی حسین معلوم ہو رہی تھیں اور اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ۔ اور تقریباً بیس برس جدا ـــــ

بیگم : (اداسی سے) جی بیس برس ایک صدی کا پانچواں حصہ۔

سرغلام : آپ کو یاد ہے کہ اس رات آپ نے سفید جوڑا پہن رکھا تھا، اور آپ بالکل گڑیا لگ رہی تھیں۔

بیگم : جیسے کسی محفوظ سی جگہ پر رکھ کر لوگ بھول جایا کرتے ہیں۔

سرغلام : آیئے میں آپ کو اپنے لڑکے سے ملواؤں ۔ بڑا ہونہار بچہ ہے ۔ دیکھئے وہ ہے اس کا کمرہ ۔ آج یہ کمرہ اس نے اپنے دوست خالد لطیف کو دے رکھا ہے۔

بیگم : خالد لطیف ؟

سرغلام : جی خالد لطیف کی دو ہم جولیاں آئی ہوئی ہیں ۔ اور اس کی خالہ بھی (بیگم رخسانہ کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہے)

بیگم : (حیرت سے سرغلام سے) خالد لطیف کی خالہ !

سرغلام : جی ہاں انڈونیشیا سے تشریف لائی ہیں۔

بیگم : (اچنبھے سے) انڈونیشیا سے کہا آپ نے ؟

سر غلام : جی ہاں، بیگم جعفر ششتر و مدینو۔ آئیے اُن سے بھی ملئے
(جانے کو ہیں)

رخسانہ : (بیگم سے اسائیڈ) خالہ اماّں میں کچھ سمجھی نہیں!

بیگم : (رخسانہ سے) ایک منٹ ٹھہرو۔ (سر غلام سے) آپ کا مطلب ہے کہ بیگم جعفر ششتر و مدینو یہاں آئی ہوئی ہیں۔

سر غلام : جی ہاں، ابھی ابھی پانچ منٹ ہوئے باغ میں تھیں، کیوں آپ اُنہیں جانتی ہیں؟

بیگم : میں نے اُن کا نام تو سُنا ہے (اسائیڈ) سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں رُکوں یا واپس چلی جاؤں؟

سر غلام : بیگم صاحبہ معاف فرمائیے۔ میں نے آپ کا پورا نام نہیں سُنا۔

بیگم : بیگم عبد الصمد۔

سر غلام : بیگم صدیقہ عبد الصمد۔

رخسانہ : (حیرت سے) خالہ اماّں!

بیگم : (مُنہ پر اُنگلی رکھ کر) چُپ۔

سر غلام : (بائیں کو جاتے ہوئے) میں ابھی بیگم ششتر و مدینو اور لڑکوں کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔ یا آئیے آپ بھی چلئے باغ میں۔

بیگم : (پنکھا اُٹھاتے ہوئے) ہاں ہاں ضرور بڑی خوشی سے۔

مجھے تو بیگم اور اُن سب سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہو رہا ہے۔ آپ میری بھانجی سے تو ملے ہی نہیں ـــــــ رخسانہ شریف حسن (رخسانہ بھوپالی تسلیم کرتی ہے)

سر غلام : (سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) جیتی رہیے۔

بیگم : (رخسانہ سے) اور آپ ـــــــ

سر غلام : بندے کو غلام احمد حیدر کہتے ہیں۔

بیگم : آؤ بیٹی۔ (بیگم اور رخسانہ بائیں کو جاتی ہیں)

سر غلام : (چھڑی سنبھالتے ہوئے، جذبے سے) یہ ہوتیں شُشتر و مدینو تو کوئی بات بھی تھی (سر غلام بائیں سے باہر جاتا ہے)

(نواب زادہ دائیں سے بھاگتا ہوا اندر آتا ہے لہنگا سامنے سے گھٹنوں تک اُٹھائے ہوئے ہے پیچھے پیچھے سبطین ہانپتا کانپتا آتا ہے، دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں اسٹیج کے چکر کاٹتا ہے۔ ہر بار جب اندر آتا ہے تو سبطین پیچھے پیچھے ہے۔ ٹوپی ڈھلکی ہوئی اچکن کے بٹن کھلے ہوئے۔ فقیرا میز پوش ہاتھ میں لئے اندر آتا ہے نواب زادہ اور سبطین کو دیکھتا ہے)

فقیرا : غریب بڈھے کو تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے نواب زادہ صاحب نے (مسکرا کر) آنکھ مچولی کھیلی جا رہی ہے۔ نہایت مخدوش

کھیل ہے۔ میرے خیال میں تو نواب زادہ صاحب کی
پتلون دکھائی دے رہی تھی (سگریٹ بکس وغیرہ بیچ کی
میز سے ہٹاکر پیچھے کی میز پر رکھتا ہے۔ دائیں سے احمد
اور ثریا داخل ہوتے ہیں)
احمد: (بہت گھلاوٹ سے باتیں کرتے ہوئے) اُفوہ، کس
مصیبت سے یہ دو گھڑیاں سکون کی نصیب ہوئی ہیں
کہ تم سے عرض مدعا کرسکوں۔ ثریا میری پیاری ثریا (فقیرا
میز ٹھیک کرتا ہے)
ثریا: (پیچھے گھوم کر فقیرا کو دیکھتی ہے پھر احمد سے اسائیڈ)
مگر احمد دیکھو! (اُٹھ کر فقیرا کے پیچھے چلی جاتی ہے)
احمد: (مڑکر فقیرا کو دیکھتا ہے، اسائیڈ) فقیرا تم یہاں کیا کر رہے
ہو؟۔
فقیرا: (اطمینان سے) چائے کا سامان لگا رہا ہوں حضور۔
احمد: جی نہیں آپ جائیے یہاں سے۔
فقیرا: مگر حضور ہی نے تو چائے کے لئے حکم دیا ہے۔
احمد: ہاں ہاں آدھے گھنٹے بعد کر لینا۔ دیکھتے نہیں میں مصروف
ہوں!
فقیرا: منسوب! (پہلے ثریا پھر احمد کو دیکھ کر) خدا مبارک
کرے حضور۔

احمد : احمق منسوب نہیں مصروف (ثریا منہ پھیر کر ہنستی ہے۔ فقیرا سے) آپ یہاں سے تشریف لے جائیے اور جب تک میں بلاؤں نہیں مت آئیے (میز پوش اٹھا کر فقیرا کا سر ڈھانپ دیتا ہے۔ پھر اُسے دھکیل کر دائیں کو لے جاتا ہے۔ فقیرا چلا جاتا ہے۔ ثریا کرسی پر بیٹھ جاتی ہے۔ احمد ثریا کے پاس آکر) ثریا میری پیاری ثریا۔

ثریا :(مسکرا کر) میرے خیال میں یہ فقرہ آپ پہلے کہہ چکے ہیں۔

احمد : ثریا، خدا کے واسطے سنجیدگی سے سنو۔ چند گھنٹوں میں تم یہاں سے سینکڑوں میل دور چلی جاؤ گی البتہ ——— البتہ ———

ثریا : (شرارت سے) البتہ ——— کیا؟

احمد : بات مت کاٹو ——— میں یہ کہنا چاہتا ہوں میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب تک میں تمہیں حاصل کرنے کے قابل نہ ہو جاؤں، کیا تم میرا انتظار کرو گی؟

ثریا : انتظار کاہے کا انتظار!

احمد : (مضمحل ہو کر کرسی کے دائیں کو آتا ہے) معاف کرنا۔ میرا یہ مطلب نہ تھا۔ میرا ———

ثریا : تو کیا پھر آپ یہ نہیں چاہتے کہ میں آپ کا انتظار کروں؟

احمد : (ہمت سے) میرا یہ مطلب تھا کہ تم سے (ہمت پست

ہو جاتی ہے) جو کچھ کہوں تم سمجھ لو۔

ثریا: تو آپ کیا بات چاہتے ہیں کہ میں سمجھ لوں؟

احمد: میں آپ کو سب کچھ بتا دینا چاہتا ہوں تاکہ (میز پر بیٹھ جاتا ہے)

ثریا: تاکہ میں اگر اپنا ارادہ بدلنا چاہوں تو بدل سکوں۔

احمد: ثریا، میری غریبی میں تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔ کیا تمہیں منظور ہے؟

ثریا: (میز کے پاس کھڑی ہو کر) احمد، تمہارے ساتھ مجھے دنیا کی ہر تکلیف گوارا ہے۔

احمد: تم یہ سچ کہہ رہی ہو؟

ثریا: آزما کر دیکھ لو۔

احمد: (ثریا کے دونوں ہاتھ تھام لیتا ہے) میری ثریا (ثریا کی گردن میں باہیں ڈال کر) میں نے کہہ دیا (مجمع کو مخاطب کر کے) میں نے کہہ دیا۔

ثریا: (بیچ اسٹیج پر آ کر) یہ تو سب درست ہے مگر سبطین صاحب کا کیا ہوگا۔ اُن کی اجازت بھی تو ہونی چاہئیے (دونوں میز پر بیٹھ جاتے ہیں، احمد ثریا کی کمر میں ہاتھ ڈالے ہے)

احمد: میں ابھی جاتا ہوں اُن کے پاس۔

ثریا: (گھبرا کر) خدا کے واسطے ایسا غضب مت کر دینا۔

احمد: کیوں ؟
ثریا: مجھے سبطین صاحب کی تحریری اجازت کی ضرورت ہے۔
احمد: تحریری اجازت کیوں ؟
ثریا: تاکہ بعد میں مُکر نہ جائیں (بائیں کو جاکر) تم اُنہیں نہیں جانتے۔ دنیا میں صرف ایک انسان ہے جو اِس کام کو کرسکتا ہے۔ بس اُسے میرے پاس بھیج دو۔
احمد: کسے، نصرت کو ؟
ثریا: (آگے آکر) نہیں خالد کی خالہ کو۔
احمد: (بوکھلا کر) بیگم مدینو کو ——— مگر ثریا وہ ———
ثریا: اگر مگر کا وقت نہیں۔ آپ اُنہیں فوراً ڈھونڈھیے۔ میں اتنے نصرت کو تلاش کرتی ہوں (بائیں سے باہر جاتی ہے)
احمد: (منہ لٹکا کر) آسمان سے گرا اور کھجور میں اٹکا پھر وہی باباخاں کم بخت۔ اچھا خاصا مرد تسمہ پا ہوگیا۔
خالد: (بائیں سے بھاگتا ہوا آتا ہے اور احمد کی پیٹھ ٹھوکتے ہوئے) احمد (ذرا ہٹ کر کھڑا ہے) میں نے کہہ دیا سب کچھ کہہ دیا۔
احمد: (قریب آکر) کم بخت کیا کہہ دیا ؟
خالد: میں نے ایک بات بھی نہیں چھپائی، سارا راز بیان کردیا۔

بتا دیا — کیا بتا دیا۔

خالد: (حیرت سے) کہ مجھے اُس سے عشق ہے۔

احمد: (اطمینان کا سانس لے کر گریبان چھوڑ دیتا ہے) بس یہی، اُفّوہ!

خالد: (لہجہ بدل کر) مگر اب وہ بیگم مہ بینو کے پاس گئی ہے تاکہ وہ اُسے سبطین صاحب سے اجازت دلوا دیں بھئی ناک میں دم ہے۔ یک نہ شد دو شد۔ اب اِس مشکل کو دور کرو یار۔

احمد: گھبراؤ نہیں اطمینان رکھو۔ اب تک تو معاملہ بہت اچھّا چل رہا ہے اور ہم دونوں کی خیریت ہے (دونوں فٹ لائٹ کے پاس کھڑے ہیں۔ نواب زادہ بائیں سے داخل ہوتا ہے اور چپکے سے ستون کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ سبطین آتا ہے دونوں لڑکے اُسے دیکھ کر ٹہل کر چلے جاتے ہیں۔ سبطین گنگناتا ہے)

سبطین "ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار + یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
ہم بھی منہ میں زباں رکھتے ہیں + کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے"
(دائیں سے باہر چلا جاتا ہے۔ لڑکے واپس آتے ہیں۔ پھر ستون کے پیچھے سے نواب زادہ کو لاتے ہیں)

خالد: تم اپنی اِن حرکتوں سے ہماری ناک کٹوا کر رہو گے۔
نواب زادہ: (دونوں کے بیچ میں ہے، بہت اچھا ہوگا۔ تمہاری بھی سزا ہونی چاہیے۔ تمہیں کیا خبر وہ کم بخت مجھ سے کیسی باتیں کرتا ہے!
احمد: وہ کون؟
نواب زادہ: وہی بڈھا سبطین۔
احمد: (جھنجھلا کر) کیوں کیا کہتا ہے تم سے؟
نواب زادہ: (خالد کی طرف دیکھ کر) خالد ابھی بچّہ ہے اس کے سامنے کہنے کی بات نہیں۔ (خالد کو دھکیل کر احمد کے کان میں کچھ کہتا ہے۔ خالد منہ بسورتا ہے)
احمد: ہٹاؤ یار یہ بھلا کون سی ایسی بات ہے۔
نواب زادہ: یار مجھے بہت شرم آتی ہے۔ یوں لڑکیوں سے ہنسی مذاق اور بات ہے۔
احمد: ہمیں کیا بنا رہے ہو، کیا ہمیں معلوم نہیں۔ پاجی کہیں کا۔
نواب زادہ: ہونہہ تو یہ بات ہے۔ (غصّے میں ٹہنگے کو ٹھوکر مارتا ہے اور ستون سے لگ کر بیٹھ جاتا ہے اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ لیتا ہے)
خالد: (غصّے سے بے قرار ہو کر) اب یہ مکاری میری برداشت سے باہر ہے۔ بھئی میں اس سے باز آیا (بیچ کی میز پر بیٹھ جاتا ہے)

احمد : اب تمہارے دماغ میں بھی خنّاس ہوا (غصے سے) یہ مکّاری
تمہیں نبھانی پڑے گی ۔ تمہاری برداشت کی ایسی کی تیسی ۔
خالد : آخر کیوں نبھاؤں یہ مکّاری ؟
احمد : (طیش میں آکر) اِس لئے کہ بعض دفعہ سچ بولنا ناممکن ہوتا
ہے، کم عقل، ڈیویٹ ۔
خالد : (لاچاری سے) بھئی میں کہنیوں تک ہاتھ جوڑتا ہوں اِس
قصّے کو اب ختم کرو ۔
نوابزادہ : بالکل درست ، میری اپنی بھی یہی رائے ہے ۔
احمد : (غصّے میں) سارا معاملہ ٹھیک ہو جائے اگر (نواب زادہ کی
طرف دیکھ کر) یہ گدھا شریف عورتوں کی سی باتیں کرے ۔
خالد : بھلا شریف عورتوں کی سی بات کیسے کر سکتا ہے یہ ؟
احمد : خود غرض کہیں کا سارا کھیل کھنڈت کرنے پر تُلا ہوا ہے ۔
(نواب زادہ سب گالیاں خوشی سے سنتا ہے ۔ پھر آہستہ
سے دوپٹّہ اُتار کر ایک طرف کو پھینک دیتا ہے)
خالد : اِس سے تو ہم نے ڈاکٹر مومن کو بلا لیا ہوتا !
احمد : جناب وہ ایسی جواں مردی سے ہمارے ساتھ ڈٹا رہتا
کہ باید و شاید ۔
(نواب زادہ کرتے کے بٹن کھولتا ہے)
خالد : ہم نے اِس مردود پر بھروسہ کر کے جھک مارا ۔

احمد : ذلیل النسان!

(نواب زادہ کمربند کھول کر لہنگا نیچے گرادیتا ہے اور اُس پر دونوں پاؤں رکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ہیں)

خالد : بھلا خیال تو کرو اس نے ہمیں کتنا پریشان کیا ہے۔

(نواب زادہ لہنگا اُٹھا کر زور پھینک دیتا ہے اور دائیں کو آکر مجمع کی طرف پشت کرکے کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہاتھ جیبوں میں ہیں، لڑکوں کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے، جیسے مقابلے کی ٹھان رہا ہو، کرتا، چوڑیاں اور بال وغیرہ بدستور ہیں)

خالد : ذرا دیکھنا جناب کا حلیہ!

احمد : ایسا غصّہ آرہا ہے، جی چاہتا ہے گردن مروڑ کر رکھ دوں نامعقول کی (نواب زادہ ستون کے پاس سے نکل کر بھاگتا ہے۔ خالد اور احمد نواب زادہ کے کپڑے اُٹھائے پیچھے پیچھے جاتے ہیں پھر اُسی ترکیب سے لوٹتے ہیں۔ نواب زادہ آگے آگے احمد اور خالد پیچھے پیچھے اور اُن کے پیچھے سبطین، سبطین بائیں سے لوٹ جاتا ہے۔ نواب زادہ بائیں سے باہر جاتا ہے۔ سبطین دائیں سے واپس آتا ہے۔ احمد اور خالد رُکتے ہیں ہیں اور جلدی سے کپڑے اپنے پیچھے چھپا لیتے ہیں)

سبطین: (ہانپتے ہوئے) احمد صاحب آپ نے بیگم مدینو کو تو نہیں

دیکھا؟

احمد : } دائیں کو اشارہ کر کے { باغ میں ہیں۔
خالد : } { باغ میں ہیں۔

(سطین دائیں کو جاتا ہے۔ احمد اور خالد بائیں سے نواب زادہ کو گھسیٹ کر لاتے ہیں)

نواب زادہ : (دونوں کو دائیں بائیں دھکا دے کر) کان کھول کر سن لو۔ میں یہ کھیل ہرگز نہیں کھیلوں گا، میں باز آیا۔ خالد کرے زور آزمائی۔

(خالد نواب زادہ کے سر پر سے لہنگا اتار کر نیچے لانا چاہتا ہے۔ نواب زادہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے (شکر دان کے ہینڈل بنائے) کھڑا اکڑ کر گڑا رہا ہے۔ احمد لہنگا نیچے کو کھینچ کر کمر بند باندھنا چاہتا ہے۔ مگر لہنگے کا نیفہ نواب زادہ کی کہنیوں پر آکر رک جاتا ہے۔ احمد سامنے سے آکر دیکھتا ہے۔ پھر نواب زادہ کے دونوں ہاتھ جھٹک کر جیبوں میں سے نکال دیتا ہے)

احمد : نکالو جیبوں میں سے ہاتھ (ہاتھ جیبوں میں سے نکلتے ہی لہنگا زمین پر گر پڑتا ہے۔ احمد لہنگا اٹھا کر کمر بند درست کر کے باندھ دیتا ہے)

خالد : جس وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ تم اپنی ساری کاری گری

کام میں لاکر سبطین کو ہموار کرو۔ عین اُس وقت جناب نے
یہ اکھیڑ پچھاڑ شروع کر دی۔

نواب زادہ: کیسی اکھیڑ پچھاڑ! میں دس دفعہ کہہ چکا ہوں کہ میں
سبطین سے ہرگز شادی کرنے پر رضامند نہیں۔ ایسے مرد
کے ساتھ میں کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔

احمد: مسخرے تم جانتے ہو کہ معاملہ اگر تمہاری محبوبہ کا ہوتا تو ہم
زمین آسمان ایک کر دیتے۔

نواب زادہ: کہاں ہے لاؤ میرا سرپوش (سر کی طرف اشارہ
کرتا ہے)

خالد: (دوپٹہ دیتے ہوئے) یہ لو (دوپٹہ اوڑھتا ہے۔ نواب زادہ
ڈھنگ سے اوڑھنے کی کوشش کرتا ہے) اِس سارے
جھگڑے میں اگر تمہیں کچھ سوجھتی ہے تو ہماری لڑکیوں کا
پیچھا کرنے کی۔ تمہیں خدا سمجھے۔

نواب زادہ: (گھوم کر پیٹھ مجمع کی طرف کرے) خالد ذرا دیکھنا
پیچھے تو یہ ٹھیک ٹھاک ہے معاملہ (لہنگا دونوں چٹکیوں سے
تھامتا ہے۔ تینوں دائیں کو ہٹتے ہیں۔ خالد بائیں کو
دیکھتا ہے)

احمد: نواب ہوشیار وہ آ گئیں۔

(نواب زادہ بیچ کی میز کی طرف جاتا ہے۔ ثریا اور نصرت

بائیں سے آتی ہیں)

ثریا: (نواب زادہ کے پاس جاکر) تمام میں ڈھونڈ ڈالا ہم نے آپ کو۔ (نواب زادہ کو تھام کر کرسی پر بٹھاتی ہے) مجھے اور نصرت کو آپ سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔

نصرت: (نواب زادہ کا بازو تھام کر) ہائے دیکھئے ہم اس وقت بہت مصیبت میں ہیں۔ اور اسی لئے آپ کے پاس آئے ہیں۔

نواب زادہ: (خالد کی طرف دیکھ کر نصرت کے گلّے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) میری بچّی مصیبت میں ہے؟ (خالد نصرت کے بائیں کو جاتا ہے۔ احمد بائیں سے ایک کرسی لاکر نواب زادہ کے پیچھے رکھ دیتا ہے۔ پھر ثریا کے پاس آتا ہے)

ثریا: آپ فرشتۂ رحمت بن کر ہماری مشکل آسان کر دیجیے۔ (احمد سے) دیکھئے آپ یہاں سے چلے جائیے۔

نصرت: ہاں واقعی خالد تم بھی یہاں سے چلے جاؤ۔

نواب زادہ: لڑکو جاؤ۔ یہ لڑکیاں مجھے فرشتہ بنانا چاہتی ہیں۔ (احمد اور خالد ذرا بائیں کو ہٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ثریا دائیں اور نصرت بائیں کو نواب زادہ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہیں۔

ثریا: آپ کو معلوم ہے نا کہ سبطین صاحب نصرت کے ابا ہیں

اور میرے سرپرست، میرے ابا جان کی وصیت کے
مطابق اگر میں سبطین صاحب کی مرضی کے خلاف شادی
کروں تو یہ میری ساری جائداد کے مالک بن سکتے ہیں۔

نصرت: اور یہ تو آپ جان ہی گئی ہوں گی کہ ثریا اور احمد ایک
دوسرے کو چاہتے ہیں۔ مگر زمینداری ختم ہونے کی وجہ
سے احمد کے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا ــــــــ

ثریا: (بات کاٹ کر) بہت سالوں تک کچھ بھی نہیں ہوگا۔
(نواب زادہ دونوں کی طرف باری باری دیکھتا ہے)

نصرت: (جلدی سے) ثریا چاہتی ہے کہ آپ ــــــــ

ثریا: نصرت پیاری ٹھہرو۔

نواب زادہ: (نصرت سے) ہاں پیاری ذرا ٹھہرو (نصرت کے
گلے میں بائیں ڈال کر) اب ثریا کی باری ہے (احمد خالد کو
گھونسا مارنے سے روکتا ہے)

نصرت: ثریا اب تمہاری باری ہے۔

نواب زادہ: ہاں پیاری اب تم کہو (ثریا کی گردن میں ہاتھ
ڈال کر)

(اب خالد احمد کو مارنے سے روکتا ہے)

ثریا: نصرت اور خالد کو بھی ایک دوسرے سے محبت ہے۔
بیگم صاحبہ آپ کو تو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا (اٹھتی ہے)

نواب زادہ : میری جان ہرگز نہیں۔ (نصرت کھڑی ہوجاتی ہے)
ثریا اور نصرت : (دونوں نواب زادہ کو پیار کرلی ہیں) ہائے آپ
کتنی اچھی ہیں۔
(دونوں بائیں کو جاکر باہر دیکھتی ہیں۔ اتنے میں احمد اور
خالد نواب زادہ کے دائیں بائیں آکر گھونسوں سے اس کی
خبر لیتے ہیں۔ ثریا اور نصرت نواب زادہ کے پاس آکر دائیں
بائیں کھڑی ہوجاتی ہیں)۔
ثریا : (احمد سے) احمد تم یہاں سے چلے جاؤ۔
نصرت : (خالد سے) ہاں خالد تم بھی یہاں سے چلے جاؤ۔ ہمیں
ایک بات کرنا ہے۔
نواب زادہ : لڑکو تم جاؤ یہاں سے، ہم تینوں لڑکیوں کو تنہا
چھوڑ دو۔
(احمد اور خالد بائیں کو ہٹ جاتے ہیں۔ ثریا اور نصرت
نواب زادہ کے پاس گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاتی ہیں)
خالد : (احمد سے اسائیڈ) ابھی ختم کرتا ہوں اِس قصے کو ــــ
ابھی کچھ نہ کچھ کرتا ہوں۔
احمد : اگر کچھ کرنا ہی ٹھہرا تو جاکر چائے کا انتظام کرو (خالد کے
کی طرف جاتے ہوئے) میں ابھی جاکر سب کو یہیں لے کر
آتا ہوں یہ تماشا تو ختم ہو کسی صورت (احمد جلدی سے

بائیں کو جاتا ہے)

ثریا : (نواب زادہ سے) جی تو کہاں پہنچی تھی میں؟

نواب زادہ :۔ تم یہ کہہ رہی تھیں کہ تمہیں احمد سے محبّت ہو گئی ہے اور تم اُس سے شادی کرنا چاہتی ہو۔

ثریا : (شرماکر) جی ——— آ ر ——— ہاں

نصرت : ہم دونوں کو ابّا جان کی اجازت درکار ہے۔

ثریا : اور آپ کی بھی۔ بس فرشتہ رحمت بن کر سب کچھ کر دیجئے۔

نواب زادہ : فرشتہ بن کر کیا کر سکتی ہوں؟

ثریا : (پریشان ہوکر) کیوں، سبطین صاحب کی رضامندی لے دیجئے!

نصرت : ہم دونوں کے لئے۔

نواب زادہ دونوں کے لئے؟

ثریا : جی، یوں کہ پہلے تو آپ خالد اور نصرت کو اجازت دے دیجئے۔ دے دیں گی نا؟

نواب زادہ : (نصرت سے) اِس سے اچھّی بھلا اور کیا بات ہو سکتی ہے!

نصرت : (نواب زادہ کا ہاتھ پیار سے بھینچ کر) ہائے آپ کتنی پیاری ہیں۔ میں تو پہلے سے جانتی تھی۔

نواب زادہ : نصرت جب تم اپنے دولھا کے یہاں جاؤ تو ہمیں
بھی ساتھ لے چلنا۔ (دونوں شرما جاتی ہیں اور اپنے
ٹخنوں کے بل بیٹھ جاتی ہیں)۔ نہیں، تو پھر کبھی سہی۔
ثریا : نصرت کا معاملہ تو طے ہو ہی جائے گا۔ اب میرے لئے
سبطین صاحب سے اجازت لینا ہوگی۔ یہ تو آپ سمجھ ہی
گئیں کہ میرا معاملہ ذرا قانونی ہے!
نواب زادہ : تمہارے والد مرحوم کے وصیت نامے کی وجہ
سے نا؟
ثریا : جی ہاں اِسی وجہ سے اجازت تحریری ہونی چاہیے۔
نواب زادہ : تحریری؟
ثریا : جی اور آپ کو حاصل کرنا ہوگی۔
نواب زادہ : مجھے، حاصل؟
ثریا : میں بتاؤں آپ کسی بہانے سے یہ بات کسی خط میں
لکھوا لیں۔
نواب زادہ : مگر میری پیاری بھلا سبطین صاحب پر میرا
کیا اثر ہے!
نصرت : ہے کیوں نہیں آپ —— اِس قدر ——
عقل مند جو ہیں۔
ثر : اور اتنی بہت امیر

نواب زادہ : (مردانی آواز میں) بہت امیر ! آج ہی صبح
دو روپے کا انعام دیا ہے۔
ثریا : اب تو آپ کو کوشش کرنا ہی ہوگی۔
نصرت : کریں گی نا کوشش ؟
ثریا : تو اب ہمیں اجازت دیجئے (دونوں اُٹھنے لگتی ہیں)
نواب زادہ : (دونوں کی گردنوں بائیں ڈال کر) ہائے میری جان
مجھے چھوڑ کر کہاں چلیں !
نصرت : اب ہم کشمیر چلے جائیں گے۔
نواب زادہ : کشمیر بے نظیر جہاں کی لڑکیاں بڑے مزے کی ہوتی
ہیں۔ (لڑکیاں حیرت ظاہر کرتی ہیں۔ نواب زادہ چونکتا ہے)
ثریا : اب تو بس آپ ہی کریں گی جو کچھ کریں گی
نصرت : بیگم صاحبہ ایک بات پوچھوں۔ کیا آپ کو بھی کسی سے محبت
ہوئی ہے کبھی ؟
نواب زادہ : (مردانی آواز میں) جی بیسیوں بار (لڑکیاں ٹھٹھک
جاتی ہیں (نواب زادہ مردانی آواز میں) میرا مطلب ہے محبت
تو سدا بہار ہے، ایک دفعہ ہوئی تو سمجھ لو بیسیوں بار ہوئی
تم نے یہ شعر تو ضرور سنا ہوگا :
نگاہ و دل کو قرار کیسا، نشاط و غم میں کمی کہاں کی،
وہ جب ملے ہیں تو اُن سے ہر بار کی ہے اُلفت نئے سرے سے

ثریا : (کھڑے ہوئے ہوئے) ہائے تب تو آپ کو سب کچھ
معلوم ہوگا۔
نواب زادہ : کیوں نہیں ضرور معلوم ہے۔
نصرت : تو بس اب لے دیجے اجازت (کھڑی ہو جاتی ہے)
نواب زادہ : دیکھو میں اپنی سی کوشش ضرور کروں گا ـــــ
کروں گی۔
نصرت : دیکھئے اب آپ انکار نہیں کر سکتیں۔
نواب زادہ : نہیں اب انکار کیسا!
ثریا : ہم دونوں جا کر سبطین صاحب کو تلاش کرتے ہیں (نصرت
کا ہاتھ تھام کرلے جاتی ہے) ابھی بھیجتے ہیں ہم اُنہیں۔ آپ
یہیں رہیئے گا (دونوں بائیں کو جاتی ہیں)
نواب زادہ : (اُٹھ کر دائیں کو جاتے ہوئے) دل لگی نہ ہوئی اچھا
خاصا گورکھ دھندا ہو گیا۔
سبطین : (اندر آتے ہوئے) بیگم آپ یہاں ہیں میں ساری
دوپہر ڈھونڈتا پھرا ہوں آپ کو۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔
بیگم مدینو : (بائیں سے اندر آتے ہوئے) سبطین صاحب،
سبطین صاحب (سبطین مڑ کر دیکھتا ہے) ذرا میرا
تعارف تو کرا دیجئے۔
سبطین : (اسائیڈ) یا اللہ، کوئی نہ کوئی دُم چھلا لگا ہی رہا۔

اسے کم بخت کو بھی یہیں آکر مرنا تھا (بیگم سے) تشریف لائیے (نواب زادہ کی طرف اشارہ کرکے) بیگم شمشیر ومدینو سے ملئے ۔ اور آپ ہے بیگم عبدالصمد۔

نواب زادہ : آداب بجالاتی ہوں ، میں خالد کی خالہ ہوں ، انڈونیشیا سے آئی ہوں ۔

بیگم : (مسکراکر) تسلیم ۔ مجھے آپ سے مل کر بے حد مسرت ہوئی بیگم صاحبہ۔

نواب زادہ : نوازش ۔

بیگم : میں آپ کے مرحوم شوہر کو بہت اچھی طرح جانتی تھی (نواب زادہ بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ خالد اندر آتا ہے اُسے روکتا ہے ۔سبطین حیرت سے دیکھتا ہے بیگم مسکراتی ہے)

خالد: (اسائیڈ) کیا بات ہے بابا خاں ؟

نواب زادہ : (خوف زدہ ہوکر بیگم کی طرف اشارہ کرتا ہے. اسائیڈ) ارے یہ میرے شوہر کو جانتی تھیں (بائیں کو لپکتا ہے احمد اندر آکر اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے)

احمد : (روکتے ہوئے) کیا بات ہے معاملہ تو سب ٹھیک چل رہا ہے ؟

نواب زادہ : ارے غضب یہ میرے شوہر کو بہت اچھی طرح

جانتی تھیں۔
احمد : لعنت خدا کی۔
سبطین : (نواب زادہ کے قریب آکر) معاف کیجئے آپ سے
ایک درخواست کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ
کھانا میرے ہاں کھائیں۔
نواب زادہ : (جوش میں آکر) واہ (مردانی آواز میں) زندہ باد
سبطین پائندہ باد (احمد نواب زادہ کو گھسیٹ کر کرسی
میں بٹھاتا ہے)
سبطین : میں انکار سننے کو تیار نہیں۔ (ساز مدھم سروں میں
چھڑتا ہے۔ پردہ گرنے تک آہستہ آہستہ اونچا ہو جاتا ہے
فقیرا دائیں سے آکر اور سر غلام بائیں سے آکر بیگم کے پاس
کھڑا ہو جاتا ہے) آپ سب لوگ تشریف لائیے، اور
رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیے (نواب زادہ سے)
چلیے آپ اسی وقت میرے ساتھ گاڑی میں چلیئے۔
نواب زادہ : ناممکن میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔
سبطین : نہیں آپ کو ضرور چلنا ہوگا۔ اچھا تو سب چلیں (رخسانہ
اندر آتی ہے)
بیگم : سبطین صاحب میری بھانجی رخسانہ بھی میرے ساتھ
آئے گی۔

نواب زادہ : رخسانہ ! (گھبرا کر کھڑا ہو جاتا ہے، دونوں ہاتھوں سے لہنگا تھام کر سر کی طرف سے اتارنے کو ہے (سبطین بیگم اور رخسانہ کی پشت ہے)

سبطین : بیگم صاحبہ آپ بڑی خوشی سے اِنہیں بھی ساتھ لائیں

نواب زادہ : ناممکن یہ نہیں ہو سکتا میرے کپڑے (مڑتا ہے تو رخسانہ سے آنکھیں چار ہوتی ہیں، رخسانہ کچھ کہنا چاہتی ہے مگر رُک جاتی ہے)

رخسانہ : (آواز پر غور کر کے) یہ آواز (بیچ اسٹیج کی طرف بڑھتی ہے) وہی ہے۔ نواب زادہ سے ٹکراتی ہے آہ، آہ (بیگم کے پاس لوٹ آتی ہے) نہیں نہیں (ساز کی آواز پوری طور پر بلند ہے۔ نواب زادہ کرتا اتارنے کی کوشش کرتا ہے۔ منہ کرتے سے ڈھانپ لیتا ہے، پیچھے کی طرف گرتا ہے، سبطین اُسے اپنے بازوؤں میں تھامتا ہے احمد نواب زادہ کے جوتوں کو اپنے دامن سے چھپائے ہوئے ہے۔ رخسانہ ایسی جگہ کھڑی ہے جہاں سے وہ نواب زادہ کے پاؤں نہیں دیکھ سکتی۔

(پردہ)

تیسرا ایکٹ

(سبطین کا ڈرائنگ روم۔ ایک صوفہ، تخت، تین کرسیاں ڈسک، اسٹول، دو الماریاں، قالین، چند تصویریں، تین کشن، ایک بڑا لیمپ، ایک چھوٹی میز اس پر راکھ دانی۔ پردہ اُٹھتا ہے باہر سے قہقہوں کی آواز آتی ہے۔ فقیرا دائیں جانب کے دروازے کے پاس جا کر کان لگا کر سنتا ہے)

فقیرا: بس لگنے لگے ٹھٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھانا ختم ہو گیا ابھی سب آتے ہی ہوں گے (کونے میں رکھا ہوا لیمپ جلاتا ہے) سبطین صاحب کو بھی میرے سوا اور کوئی بیرا نہ ملا۔ کس قدر کمینہ آدمی ہے۔ دوسروں کے نوکر مانگ مانگ کر کام چلاتا ہے، خیر اور تو جو کچھ ہوا سو ہوا مگر نواب زادہ صاحب نے سوانگ خوب بھرا۔ سچ مچ اچھی خاصی عورت معلوم ہوتے ہیں جی خوش کر دیا قسم قرآن کی (زور دار قہقہہ اور باتوں کی آواز آتی ہے)

ارے اب کوئی نئی بات ہوئی (دائیں دروازے پر جاکر پھر کان لگاتا ہے) (خاموشی) اگر معاملہ بگڑتا بھی ہے تو مجھے تو کوئی ٹوٹا نہیں۔ نواب زادہ صاحب کی کالی شیروانی اور نیا لٹھے کا پاجامہ تو میرے ہی پاس ہیں۔ چلو بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی سہی۔

نواب زادہ: (دائیں سے آتا ہے گھبرایا ہوا ہے) فقیرا ذرا دوڑ کر ایک رکشا تو پکڑنا میں گھر جارہا ہوں (بیچ اسٹیج پر آتا ہے) اُونہہ (احمد اور خالد اندر آتے ہیں اور جلدی سے نواب زادہ کو پکڑ کر آگے کو لاتے ہیں۔ نواب زادہ اپنے آپ کو چھڑاتا ہے۔ فقیرا دائیں سے بائیں کو باہر جاتا ہے، اور دروازہ برابر کر دیتا ہے)

احمد: باجی اچھا خاصا چل رہا تھا۔ بس سبطین پر ذرا سی اور توجہ درکار تھی کہ بس بھوت کی طرح بھاگ لیے۔

خالد: بڑی زیادتی ہے تمہاری کہ تم ایسی ذلیل حرکت کرو۔

احمد: بجائے اس کے کہ بھاری بھرکم طریقے سے خالد کی خالہ بنا رہے، چلے بڈھی چڑیلوں کی سی حرکتیں کرنے۔

نواب زادہ: جو منہ میں آئے کہے جاؤ (پھر بڑھیا کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے) دیکھنا کوئی تسمہ لگا نہ رہنے پائے۔ تم دونوں پر خدا کی مار۔

احمد: زبان درازی سے کام نہیں چلے گا باباخاں۔
خالد: ذرا یہ تو سوچو کہ تم نے بے چاری لڑکیوں سے وعدہ کیا تھا کہ تم اِن دونوں کو سبطین سے اجازت دلوا دوگے۔ اب اُنہیں کی خاطر مان جاؤ۔
نواب زادہ: اُس وقت اور بات تھی۔ تب تک وہ نہیں آئی تھی۔
احمد: وہ، کون؟
نواب زادہ: وہ لڑکی۔
احمد: کون لڑکی؟
نواب زادہ: مس شریف حسن۔
احمد: وہ بیگم —— کیا نام —— عبدالصمد کی بھانجی۔
نواب زادہ: ہاں بیگم کی بھانجی (خالد کھڑکی کے پاس جاتا ہے)
احمد: تو وہ غریب تمہیں کیا کہہ رہی ہے؟
نواب زادہ: یور، ارے یہی تو وہ لڑکی ہے جس سے میں جرمنی میں ملا تھا اور بیگم عبدالصمد وہی خاتون ہیں جو اُسے لے کر غائب ہو گئی تھیں (بھاگتا ہے)
احمد: لینا خالد ذرا روکنا اِسے (خالد مڑ کر نواب زادہ کو روکتا ہے اور بیچ اسٹیج پر لے آتا ہے) کم بخت نے کس مصیبت میں پھنسا دیا ہمیں!
نواب زادہ: خوب الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ مصیبت میں

میں ہوں یا تم ؟

احمد : سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر تم اِس قدر دست پاچہ کیوں ہو؟

نواب زادہ : یہ بتاؤ اِس حلیے میں اُس سے بات کروں تو کیسے کروں ؟

احمد : کیا بات کرنا ہے تمہیں آخر ؟

نواب زادہ : وہی جو تم اپنی دوستوں سے کرتے پھر رہے تھے۔ آخر مجھے بھی تو اُس سے محبت ہے۔

خالد : (دروازے کے پاس جاکر) احمد وہ لوگ سب کچھ سُن لیں گے

احمد : کسی نے اتنا بڑا بے وقوف کوئی دوسرا بھی دیکھا ہے ؟

نواب زادہ : (اونچی آواز میں) ہرگز نہیں، ذرا مجھے ملاحظہ فرمائیے۔ مردوں کے نام کو بٹہ لگا دیا واللہ (مُڑکر بیچ اسٹیج پر آتا ہے)

احمد : (نواب زادہ سے) الّو کی دُم تم بکواس بند کرو گے یا یونہی چیختے چلے جاؤ گے (خالد سے) چھوڑو یار، کہ دو نیا بیگم ایک دم بیمار ہو گئیں ـــــ تانگے میں سوار کر کے اسے چلتا کرو۔

نواب زادہ : خالد سے طنز سے) تم ذرا مس حسین سے میری طرف سے معافی مانگ لینا۔

احمد : (غصّے سے) مس حسین، تمہارا کیا کام ہے مس حسین سے

جلدی بتاؤ۔

نواب زادہ: کچھ نہیں میں نے اُس سے وعدہ کیا تھا کہ میں سبطین صاحب سے اُسے تحریری اجازت لے دوں گا۔ واللہ اِس قدر کم عقل واقع ہوئے ہو، تم لوگ تو اپنی انّا کھلایاں ساتھ لے کر یونیورسٹی میں آیا کرو۔ (نواب زادہ بائیں کی طرف جاتا ہے)

فقیرا: (دائیں طرف اسٹیج سے باہر) اِس طرف تشریف لائیے بیگم صاحبہ۔

خالد: ارے ارے وہ لوگ آ گئے۔

احمد: (لپک کر جاتا ہے، نواب زادہ کو کھینچ کر لاتا ہے، اور صوفے پر دّھکا دے کر) خالہ اماں یہاں تشریف رکھئے۔
(بیگم، رخسانہ اندر آتی ہیں۔ عمدہ کپڑے پہن رکھے ہیں۔ فقیرا آگے آگے ہے۔ تینوں لڑکے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ خالد نواب زادہ کو کھینچ کر بٹھاتا ہے۔ فقیرا باہر جاتا ہے۔ بیگم کے ہاتھ میں پنکھا ہے۔ رخسانہ ہاتھ میں لخلخے کی شیشی تھامے ہے)

بیگم: (صوفے کے پیچھے جا کر) کیسی طبیعت ہے آپ کی۔ خالد صاحب ہمیں فکر ہوئی کہ کہیں بیگم صاحبہ کی طبیعت بہت زیادہ بگڑ نہ جائے۔

رخسانہ : کیوں کیا بات ہے ؟
خالد : کوئی ایسی بات نہیں ۔ خالہ جان کا دل ذرا گھبرا رہا تھا ــــ وہ ــــ کھانے کے کمرے میں کچھ گرمی سی تھی ۔
بیگم : گرمی ــــ میرے خیال میں تو کمرہ ضرورت سے زیادہ ٹھنڈا تھا ۔
احمد : جی خالد کا مطلب ہے ٹھنڈا ــــ دراصل بیگم مدتوں گرم آب و ہوا میں رہی ہیں ۔ (بیگم منہ پھیر کر ہنستی ہے پھر جا کر تخت پر بیٹھ جاتی ہے)
رخسانہ : (احمد کو لخلخے کی شیشی دیتے ہوئے) لیجئے یہ لخلخہ بہت اچھی چیز ہے ۔ (نواب زادہ رخسانہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے)
احمد : (شیشی لیتے ہوئے) شکریہ (رخسانہ جا کر تخت پر بیٹھ جاتی ہے) کوئی فکر کی بات نہیں انہیں اکثر اسی قسم کے دل کے دورے پڑتے رہتے ہیں ۔ کیوں خالد ؟ (احمد نواب زادہ کو لخلخہ سنگھاتا ہے ۔ نواب زادہ تین چار بار چھینکتا ہے ۔ نصرت اور ثریا اندر آتی ہیں ۔ بہت عمدہ کپڑے پہنے ہیں ۔ ثریا دروازے بند کر کے نصرت کے قریب آ جاتی ہے)

نصرت : خدا کرے بیگم صاحبہ کی طبیعت اب سنبھل گئی ہو۔
ثریا : کیسا ہے جی اب ؟
رخسانہ : احمد صاحب کہہ رہے ہیں کہ اب طبیعت ماشا اللہ بہتر ہے۔
ثریا : ذرا جاکر سبطین صاحب کو بھی بتلا دیجئے۔ بے چارے بے حد پریشان ہو رہے ہیں۔ (ثریا لخلخے کی شیشی احمد سے لے کر کھڑکی کی طرف جاتی ہے۔ شیشی میز پر رکھ کر خود چاندنی کی بہار دیکھنے لگتی ہے)۔
نصرت : (احمد اور خالد سے) آپ لوگ جائیے ہم کرلیں گے، بیگم صاحبہ کی دیکھ بھال (ثریا کے پاس جاکر کھڑی ہو جاتی ہے۔ خالد اور احمد نواب زادہ کو گھونسہ دکھاتے ہیں پھر باہر چلے جاتے ہیں)۔
نواب زادہ : (خالد اور احمد کو جاتا دیکھ کر) کہاں چھوڑے جا رہے ہو مجھے ؟ (اسائیڈ) کیسی مصیبت میں جان ہے۔ (ثریا اور نصرت کو دیکھ کر) نہ جانے اب اِن دونوں کو مجھ سے کیا کام ہے۔ خدا کرے اب یہ احتیاط سے کام لیں اور مجھے پیار ویار نہ کریں۔
(فقیرا کافی لے کر آتا ہے)
رخسانہ : (بیگم سے) خالہ اماں، سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بیوی اگل

میں کون ہیں ؟

بیگم : کوئی لُقندری ہوگی ۔ جب دیکھا کہ میں نہیں آ رہی ہوں تو اِسے پکڑ لائے ہوں گے ۔

(فقیرا بیگم کے پاس کافی لے جاتا ہے وہ لے لیتی ہیں (رخسانہ کے پاس لے جاتا ہے وہ انکار کرتی ہے ۔ ثریا اور نصرت لے لیتی ہیں) ۔

رخسانہ : (فقیرا کے ہٹ جانے کے بعد) خالہ اماں ذرا آپ اِن بیوی سے باتیں تو کیجیے میں اِن کی آواز سُننا چاہتی ہوں ۔

بیگم : بیٹا، کس دل سے کروں اِس سے بات ۔ ذرا صورت تو دیکھو ان کی ۔ اگر اِن لڑکوں نے یہ میری صورت بنائی ہے تو واقعی میں انہیں معاف نہیں کر سکتی ۔

(فقیرا کچھ پستے کی لوز، بادام ، چلغوزے وغیرہ لاتا ہے، بیگم بادام نہیں لیتیں، رخسانہ لے لیتی ہیں ۔ فقیرا ، نصرت اور ثریا کی طرف جاتا ہے ۔ دائیں طرف سے قہقہے کی آواز آتی ہے)

نواب زادہ : (اسائیڈ) باجی خود تو مزے اُڑا رہے ہیں ۔ (فقیرا بادام لے کر نواب زادہ کے پاس آتا ہے ۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے ہیں) کہو کون سا لطیفہ ہو رہا ہے (فقیرا چاروں طرف دیکھ کر اطمینان کر لیتا ہے کہ کوئی اُسے نہیں دیکھ رہا ۔ نواب زادہ کے کان میں کچھ کہتا ہے

اچھا وہ والا ہے (ہنستا ہے اور بادام لینے سے انکار کرتا ہے)

(فقیرا باہر جاتا ہے۔ ثریا اور نصرت پیالیاں میز پر رکھتی ہیں۔ پھر بیچ اسٹیج پر آجاتی ہیں۔ بیگم اپنی خالی پیالی رخسانہ کو دیتی ہے جو جاکر اُسے میز پر رکھ دیتی ہے اور پھر آکر وہیں بیٹھ جاتی ہے، باہر سے قہقہہ)

بیگم : مرد لطیفے سنا رہے ہیں۔

ثریا : (بیگم کے قریب آتے ہوئے) جی ہاں۔

نصرت: (کرسی پر بیٹھ کر) خوب ہنسی ہو رہی ہے۔

بیگم : ابھی ابھی مجھے ایک نہایت دل چسپ لطیفہ یاد آیا ہے۔

نواب زادہ : (پریشانی میں اسائیڈ) اسی کا خطرہ بھی تھا مجھے۔

بیگم : بیگم صاحبہ یہ قصہ جعفر بدھیو صاحب اکثر سنایا کرتے تھے۔

نواب زادہ : (اسائیڈ) یا اللہ کیوں کر روکوں اِنہیں (لڑکیوں سے) ارے بچیو بیگم صاحبہ کو کوئی اچھا سا گانا ہی سنا دیا ہوتا۔

بیگم : (رخسانہ سے) کس قدر بدتمیز عورت ہے۔ اِس طرح بات کاٹ دیتے ہیں کہیں۔

رخسانہ : میرے خیال میں اِنہوں نے آپ کی بات سنی نہ ہوگی خالہ اماں۔

ثریا : بیگم عبدالصمد ضرور سنائیے وہ دل چسپ لطیفہ۔

نصرت : جعفر مدینو صاحب کے سنائے ہوئے قصے ضرور دلچسپ
ہوں گے۔
بیگم : شاید بیگم جعفر مدینو اپنے شوہر کے دل پسند لطیفے خود
سنانا چاہیں۔
نواب زادہ : شوہر؟
بیگم : جی ہاں آپ کے شوہر مرحوم جعفر ششتر و مدینو (مسکراتی ہے)
نواب زادہ : ہاں وہ، جی ہاں میں نے اُن کا نام تو سنا ہے مگر اُن
کے قصّے مجھے یاد نہیں۔ اصل میں میرا مذاق بہت سلیس ہے
بیگم صاحبہ (اسائیڈ) خدا غارت کرے اِن لڑکوں کو۔
رخسانہ : (بیگم سے اسائیڈ) خالہ اماں اِن بے چاری کو تنگ نہ کیجیے
آپ خود ہی سنا دیں۔
بیگم : جعفر مدینو اِس قدر رحم دل انسان تھے کہ دنیا میں
اُن سا دوسرا مشکل سے ملے گا۔ (نواب زادہ) بیگم مدینو
اجازت دیں تو آگے بڑھوں!
ثریا : (نواب زادہ کے بائیں کو جاکر) کیوں بیگم صاحبہ آپ کو
تو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر بیگم عبدالصمد قصہ سنائیں۔
نصرت : (نواب زادہ کے دائیں جاکر) آپ سنیں گی نا؟
نواب زادہ : میرے خیال میں ضرور سنوں گی۔ (ثریا نواب زادہ
کے کشن وغیرہ ٹھیک کرتی ہے)

بیگم : ابھی بیان کر چکی ہوں کہ جعفر مدینو صاحب اس قدر رحم دل انسان تھے کہ دنیا میں اُن سا دوسرا ملنا مشکل ہے۔ ایک دن ——— نہیں یہ نہیں کوئی دوسرا سناؤں گی۔ یہ لطیفہ تو بیگم صاحبہ کو خوب اچھی طرح یاد ہوگا۔ ایک روز بیگم صاحبہ نہا رہی تھی۔ غسل خانے کا دروازہ باہر سے بند تھا، مگر اندر سے چٹخنی چڑھی ہوئی نہ تھی۔

ثریا : ہائے ہائے۔

نصرت : اوئی اگر ہوا سے کھل جاتا تو!

بیگم : بیگم صاحبہ ابھی نہا ہی رہی تھیں کہ اُن کے ہاں کی ایک نہایت کم عمر چنچل شوخ ملازمہ آئی اور دروازہ کھول کر منہ اندر کر دیا۔

ثریا : (جسم کو سکیڑتے ہوئے) اوئی اللہ۔

نصرت : تو یہ ہے (دونوں ہاتھ کلّوں پر رکھ لیتی ہے)

(نواب زادہ اُٹھ کر ٹہلنے لگتا ہے)

بیگم : بیگم صاحبہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ملازمہ کے منہ پر ایک چپت رسید کی۔

ثریا : پھر؟ (نواب زادہ واپس کرسی پر بیٹھ جاتا ہے)

بیگم : ملازمہ بولی "حضور مجھے خبر نہیں تھی کہ آپ ہیں۔ میں تو سمجھی تھی بڑے صاحب نہا رہے ہیں۔" (سب ہنستے ہیں نواب زادہ ہونٹ چباتا ہے)

سبطین : (باہر سے) آیئے آپ صاحبان اندر تشریف لایئے۔

ثریا : (نواب زادہ سے) اب سب آرہے ہیں۔ خط لینا نہ بھول جایئے گا!

نواب زادہ : نہیں تم خاطر جمع رکھو۔

ثریا : (نصرت کے پاس جاکر) چلو سب باغ میں چلیں۔ اور سبطین صاحب کو باتیں کرنے دو (سبطین، سر غلام، خالد، احمد کالی اچکنیں پہنے اندر آتے ہیں۔ نقیرا پیچھے پیچھے سبطین اپنی نگاہیں نواب زادہ پر جما دیتا ہے۔ احمد اور خالد تخت کے دائیں بائیں کھڑے ہیں۔ فقیرا خالی پیالیاں جمع کرتا ہے۔ ساز جاری ہے)

سبطین : (ساز کے ختم ہونے پر) سبحان اللہ سبحان اللہ (نواب زادہ اٹھ کر جانے لگتا ہے تو ٹھوکر کھاتا ہے۔ سبطین بڑھ کر تھامتے ہوئے) بسم اللہ (اہتمام سے نواب زادہ کو واپس بٹھاتا ہے)، فقیرا، سگار، سگریٹ تو لاؤ۔

نواب زادہ : (مردانی آواز میں) بھئی ضرور لاؤ۔ (گھنٹوں سے نہیں پیا (چونک کر زنانی آواز میں) بڑی فائدہ مند چیز ہے۔ مچھر مکھیاں فوراً مر جاتی ہیں (رخسانہ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہے) (فقیرا باہر جاتا ہے)

خالد : ذرا دیکھنا احمد۔

نواب زادہ : (غصّے میں اسائیڈ) دنیا کے اور سارے قصّے تو ختم ہو گئے تھے بس یہی ایک رہ گیا تھا سنانے کو (زور سے ہنستا ہے) بیگم صاحبہ ملازمہ کا کیا نام تھا؟

بیگم : مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔

نواب زادہ : افسوس!

بیگم : مگر آپ کو یہ قصہ تو یاد ہو گا؟

نواب زادہ : ضرور یاد ہے۔ جب میں نے یہ پہلی بار سُنا تو میں لوٹے لوٹ گئی (اپنا زنانہ روپ بھول جاتا ہے مردوں کی طرح پتلون کو لہنگے کے اندر ہی سے پکڑ کر گھٹنوں پر سے اوپر کو کرتا ہے) اِس پر مجھے ایک اِس سے بھی زیادہ شوخ قصہ یاد آیا (شوخ کے لفظ پر لڑکیاں مڑ کر نواب زادہ کو دیکھتی ہیں نواب زادہ چونکتا ہے زنانی آواز میں) اے لڑکیوں تم میں سے ایک کو تو گانا آتا ہی ہو گا، سُناتی کیوں نہیں؟

بیگم : بیگم صاحبہ آپ تو خود بہت اچھا گاتی ہیں جعفر مدینو صاحب آپ کے گلے کی ہمیشہ تعریف کرتے تھے۔

نواب زادہ : جی ـــــ آر ـــــ جی نہیں میں اب نہیں گاتی خسرہ سے میرا گلا خراب ہو گیا ہے۔ (ثریا اور نصرت پیچھے کی طرف جا کر ہنستی ہیں)

احمد: کیا کر رہا ہے؟

خالد: (اسائیڈ) اِس طرح گھور رہا ہے جیسے کھانے کی میز پر گھور رہا تھا۔

احمد: گدھا! (فقیرا سگریٹ سگار لے کر آتا ہے اور میز پر رکھ کر چلا جاتا ہے)

سبطین: (اسائیڈ) موقع نکال کر تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں (سب مخاطب ہو کر) کیسا عمدہ ہو رہا ہے موسم۔ آپ صاحبان باغ میں جا کر ٹہلیں گے؟

احمد: جی نہیں شکریہ۔

سبطین: بڑی حسین شام ہے (جا کر بیگم اور رخسانہ سے باتیں کرتا ہے مگر پھر پھر کر نواب زادہ کو گھورتا جاتا ہے)

نواب زادہ: (اسائیڈ) احمد بھلا یہ الّو کی طرح ٹکٹکی باندھے مجھے کیوں دیکھ رہا ہے؟

احمد: (سر غلام سے) ابا جان خدا کا شکر ہے کہ ثریا آپ کو بھی پسند آئی بڑی اچھی لڑکی ہے (ثریا نواب زادہ کے پاس آتی ہے)

سر غلام: ثریا لڑکی تو واقعی بہت شریف اور نیک معلوم ہوتی ہے۔

احمد: میں بہت گھبرا رہا تھا۔ مگر اب مجھے اطمینان ہو گیا۔

سر غلام : تم نے اس معاملے پر خوب غور کر لیا ہے ؟
احمد : جی جب سے ثریا سے ملاقات ہوئی ہے دن رات اسی پر غور کرتا رہا ہوں۔
سر غلام : بیٹا شادی زندگی کا ایک بہت اہم قدم ہے (احمد خالد کے پاس جاتا ہے)
ثریا : (نواب زادہ) دیکھئے بھول نہ جائیے گا نہیں۔ اجازت تحریری ہونا چاہیئے (نصرت کے پاس جا کر اسائیڈ) چلو سب کو باغ میں لے چلیں۔ تم خالد کو لے چلو اور میں احمد کے پاس جاتی ہوں۔
احمد : (خالد سے اسائیڈ) میں نے ابا جان کو سب بات بتا دی (سر غلام پیچھے نصرت کے پاس جاتا ہے۔ سبطین نواب زادہ کے پاس۔ ثریا تخت پر بیٹھی ہے۔ احمد اس کے داہنی ہاتھ کو کھڑا ہے۔ خالد نصرت کے پاس)
سبطین : ہاں بھی جاؤ بیگم (نواب زادہ میز پر جھکتے ہوئے)
نواب زادہ : ہاں تو جاؤں مگر وہ خط کہاں ہے ؟
سبطین : کون سا خط؟ اچھا وہ خط ابھی نہیں لکھا۔
نواب زادہ : (ٹھنک کر پیٹھ موڑ لیتا ہے گویا روٹھ گیا) بس جاؤ۔
سبطین : (لگاوٹ سے) چلو کہیں تنہائی میں چل کر باتیں کریں۔
نواب زادہ : اچھا چلو (دونوں اٹھ کر ایک کونے میں جاتے ہیں۔

تین چوتھائی پشت مجمع کی طرف ہے)

نصرت: (مڑ کر) خالد تم آج کھوئے کھوئے اور پریشان کیوں ہو آج تو ہمیں بہت خوش ہونا چاہیے؟

خالد: نصرت! بعض دفعہ جب انسان بہت خوش ہوتا ہے تو اُس کے آنسو نکل آتے ہیں۔ آج وہی حال میرا ہے کل تک میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا (نواب زادہ کو قہر آلود نگاہ سے دیکھتا ہے)

نصرت: آؤ باغ میں چلیں (نصرت اور خالد باہر جاتے ہیں۔ سبطین بیچ کی میز کی طرف آتا ہے۔ رخسانہ کھڑکی کی طرف جاتی ہے۔ نواب زادہ اُسے تکتا ہے وہ مڑ کر نواب زادہ کو دیکھ کر مسکراتی ہے۔ سر غلام بیگم کے پاس جاتا ہے۔

احمد: ثریا سے (اسائیڈ) میں نے جب ابا جان کو بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ مگر ثریا دعا کرو کہ میں تمہاری محبت کے اہل ثابت ہوں۔

ثریا: خدا کرے ہم دونوں ایک دوسرے کی محبت کے اہل ثابت ہوں۔ ذرا دیکھو کیسا سہانا موسم ہے۔ چلو باغ میں چلیں۔ (ثریا اور احمد باہر جاتے ہیں۔ سبطین نواب زادہ کے پاس آتا ہے)

سر غلام: (بیگم کے پاس جا کر) چلو ہم بھی باغ میں چلیں۔

بیگم : ضرور اِن دونوں کو تنہا چھوڑنا باعث ثواب ہوگا۔
سر غلام : کیوں ؟
بیگم : (کھڑی ہو کر) رشتہ بندی اور شرارت ہو رہی ہے۔
سر غلام : سبطین صاحب کی بات کر رہی ہیں آپ ؟
بیگم : (چتر ورائی سے) نہیں بیگم مدینو کی۔ (بیگم اور سر غلام باہر جاتے ہیں۔ سبطین انہیں جاتے دیکھتا ہے۔ اتنے میں نواب زادہ جا کر صوفے کے پیچھے چھپ جاتا ہے)
سبطین : (خوش ہو کر) چلے گئے سب چلے گئے۔ (مڑتا ہے تو نواب زادہ غائب ہے) صدیقہ۔ سب چلے گئے۔ صدیقہ۔ (اِدھر اُدھر دیکھتا ہے)
نواب زادہ : (صوفے کے پیچھے سے سر نکال کر) اہا ہا! دیکھا کیسا پریشان کیا!
سبطین : اُفوہ کتنی دعاؤں کے بعد یہ تنہائی نصیب ہوئی ہے۔
نواب زادہ : (اسائیڈ) وہی اصیل مرغے کی ایک ٹانگ۔
سبطین : اِس سے فائدہ اُٹھا کر میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں
نواب زادہ : (ٹھنک کر) نہیں میں تم سے خفا ہوں۔
سبطین : ایسا نہ کہو (دل پر ہاتھ رکھ کر۔ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔
نواب زادہ : (نواب زادہ کے میز پر رکھے ہوئے ہاتھ کو سہلاتا

ہے۔ نواب زادہ ہاتھ جھٹک کر الگ کر دیتا ہے) بس رہنے دو چونچلے ییں تم سے واقعی خفا ہوں، تم بے وفا ہو، وعدہ خلافی کرتے ہو۔

سبطین: (محبت سے) وعدہ خلافی اور تم سے، ہائے ہائے یہ کیوں کر ممکن ہے

نواب زادہ: ممکن کیسے نہیں۔ کیا تم نے ایک تحریری اجازت نامہ دینے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔

سبطین: کیا تو تھا مگر اس تحریر کا تعلق میرے تمہارے معاملے سے کیا۔ پھر تم برہم کیوں ہو؟ (پھر نواب زادہ کے میز پر رکھے ہوئے ہاتھ کو سہلاتا ہے۔ نواب زادہ ہاتھ اٹھا کر سبطین کے ہاتھ پر چپت رسید کرتا ہے سبطین ہاتھ سہلاتا ہے)

نواب زادہ: برہم کیسے نہ ہوں (بیچ اسٹیج پر آکر) میں کوئی معمولی عورت نہیں ہوں۔

سبطین: خدا نہ کرے تم کوئی معمولی عورت ہوتیں مگر میری التجا تو سن لو۔

نواب زادہ: ضرور سنوں گی، مگر پہلے وہ خط لاؤ، تم آخر مجھے وہ تحریر کیوں نہیں دیتے؟

سبطین: کیا یہ ظلم روا ہے صدلقہ (بائیں کو آتا ہے)

نواب زادہ (دائیں کو اسائیڈ) ظلم روا! تمہارے لئے تو چھ مہینے کی قید بامشقت روا ہونی چاہیئے! فاتر العقل!

سبطین : صدیقہ تم تو معمّہ ہو، عقدہ ہو، چیستان ہو۔
نواب زادہ : (سبطین سے ذرا ہٹ کر) دیکھو میرے قریب نہ آنا۔ جب تک وہ خط نہ دے دو، میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں۔
سبطین : اچھّا تو طے ہو گیا۔ میں ابھی جا کر خط لکھ کر لاتا ہوں۔ مختصر سا۔
نواب زادہ : (وضاحت سے) اجازت نامہ بالکل مکمّل ہونا چاہیئے۔ دستخط کرنا مت بھول لینا۔
سبطین : پھر تو تمہیں میری بننے سے انکار نہ ہوگا۔
نواب زادہ : پھر تو جو تم کہلواؤ گے میں کہتی چلی جاؤں گی۔ مگر جلدی سے آؤ۔
سبطین : (نواب زادہ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے) میری جان (بائیں سے باہر جاتا ہے)
نواب زادہ : (بیچ اسٹیج پر آکر) اس میں کیا حرج ہے (حیرت اور جھجک سے مجمع کو دیکھ کر) میں نے کہا عورت بھی کیا بے ڈھب چیز ہے۔ خدا بچائے۔ اسے کہتے ہیں شیطان کی خالہ (کھڑکی کے پاس جاکر) مگر میں بالکل بے قصور ہوں، یہ سب اِن لڑکوں کی بد معاشی ہے۔ (میز سے سہارا لے کر کھڑا ہوتا ہے) توبہ ہے معلوم ہوتا ہے مہینوں گزر گئے یہ روپ بھرے۔ مدت سے سگریٹ سگار کو ہاتھ نہیں لگایا۔ (بکس میں سے سگار نکالتا ہے) نہ جانے کتنی دیر میں

لوٹے گا بڈھا۔ چلو لگے ہاتھ دو کش سگار کے ہی سہی (لہنگا اٹھا کر پتلون کی جیب سے سگار کٹر نکالتا ہے۔ سگار کاٹ کر جلاتا ہے۔ کٹر پتلون کی جیب میں واپس ڈالتا ہے۔ سگار مُنہ میں لے کر دونوں ہاتھوں سے لہنگا درست کرتا ہے پھر اطمینان سے سگار پی کر) کیا کہنا ہے لطف آگیا! (دھواں نکالتا ہے)

بیگم : (بیگم اور رخسانہ اندر آتی ہیں، نواب زادہ کو سگار پیتے دیکھ کر رخسانہ سے اسائیڈ) سگار پی رہی ہیں (آواز سے) اُونہہ (نواب زادہ کے بائیں کو آتی ہے رخسانہ دائیں کو نواب زادہ پریشانی میں ایک لمبا کش لیتا ہے۔ دائیں ہاتھ کے اندر سگار چھپا لیتا ہے۔ منہ میں دھواں بھرا ہے پہلے بیگم کو دیکھتا ہے، پھر رخسانہ کو، پھر سامنے، بے حد بے چین ہے پہلے ایک کلّے میں پھر دوسرے کلّے میں دھواں رکھتا ہے، آنکھیں میچ لیتا ہے۔ مُنہ بھینچ کر بند کرتا ہے)

رخسانہ : خالہ جان کیا باہر بہت سردی ہے؟

بیگم : کافی۔ مجھے تو شال کی ضرورت محسوس ہوئی۔

رخسانہ : میں ابھی لائی آپ کی شال مجھے معلوم ہے کہاں رکھی ہے (دروازے تک جاتی ہے پھر نواب زادہ کو مڑ کر دیکھتی ہے، پھر باہر جاتی ہے نواب زادہ اُسے دیکھتا ہے۔ دُھواں منہ سے نکال دیتا ہے،

اور ہاتھ سے دھواں ہٹانے کی کوشش کرتا ہے)

بیگم : آپ اکیلی ہیں ؟

نواب زادہ : بالکل اکیلی اور بے حد اُداس۔

بیگم : اُفوہ ! (فضا میں سونگھ کر دائیں کو جاتی ہے) کس قدر بُری بُو ہے دھوئیں کی (مسکراتی ہے)۔

نواب زادہ: جی ہاں مجھے بھی کچھ محسوس ہو رہی تھی۔ (جلدی سے پیچھے جا کر سگار داہنے ہاتھ سے بائیں میں لیتا ہے) میں ابھی دیکھتی ہوں کون پی رہا ہے سگار ؟

بیگم : (بیچ میں آتے ہوئے) نہیں آپ کیوں زحمت فرما رہی ہیں، آپ تشریف رکھیے۔ (نواب زادہ سگار چھپائے ہوئے مڑتا ہے) میں تو آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

نواب زادہ : جی بڑی خوشی سے (بیچ کو آتا ہے سگار پیچھے چھپا رکھا ہے)

بیگم : میں آپ کے مرحوم شوہر شستر و مدینو کے بارے میں کچھ بات کرتی !

نواب زادہ : جی بہت دل چسپ رہے گا۔

بیگم : آپ کو معلوم ہے جب میں مدینو صاحب سے ملی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ اُن کی کوئی بیوی نہیں ہے۔

نواب زادہ : اے جھوٹا بے ایمان کہیں کا بڑا جلاد خاوند تھا کم بخت !

بیگم : اچھا تو جن شستر و مدینو کو میں جانتی تھی وہ مرحوم تو بہت شریف اور نیک دل انسان تھے۔

نواب زادہ: تو وہ اُن کے باپ ہوں گے ضعیف سے سفید سفید
مونچھوں والے!

بیگم : (مڑ کر پنکھے سے منہ چھپا کر اسائیڈ) بھلا کا ہے کو دیکھی تھی
ایسی دیدہ دلیری میں نے! (بیچ میں آ کر) بیگم صاحب مجھے بڑی حیرت
ہے کہ آپ سگریٹ نہیں پیتیں کیونکہ انڈونیشیا میں تو اکثر عورتیں
پیتی ہیں!

نواب زادہ: اب آپ سے کیا چھپاؤں۔ جب آپ اندر تشریف لائیں
تو میں پی رہی تھی (بائیں ہاتھ میں سگار دکھا کر)

بیگم : تو پھر شوق فرمائیے۔ میری وجہ سے تکلّف نہ کیجئے (نواب زادہ
سگار پیتا ہے) (اسائیڈ) نہیں تو میں اگر پائپ پیتے دیکھتی تو
مجھے حیرت نہ ہوتی۔

نواب زادہ: فرمائیں تو سگریٹ پیش کروں؟ (پھر کش لگاتا ہے)

بیگم : جی نہیں شکریہ (دونوں گھومتے ہیں نواب زادہ لہنگے میں
ایک ٹھوکر لگاتا ہے۔ دونوں بیچ اسٹیج پر آتے ہیں بیگم کے بائیں
اور نواب زادہ کے دائیں ہاتھ میں پنکھے ہیں) میں تو پیتی سگریٹ
مگر چونکہ انڈونیشین نہیں ہوں تو شاید لوگ تعجب کریں (پنکھا
ہلانا بند کر کے نواب زادہ کا بازو تھام لیتی ہے)

نواب زادہ: جی ہاں آپ درست فرما رہی ہیں۔

بیگم : اگر آپ معاف فرمائیں تو ایک نجی سوال کروں آپ سے۔ آپ کی

کتنی اولادیں ہیں؟

نواب زادہ: (غیر متوقع سوال پر گھبراتا ہے۔ یہ بھول جاتا ہے کہ لڑکوں نے کیا سمجھایا تھا۔ جی ہاں بس واجبی سی ہیں۔ چند، مگر قابلِ ذکر نہیں۔ (بیگم مسکراتی ہے۔ رخسانہ شال لے کر آتی ہے)

رخسانہ: خالہ اماں یہ رہی آپ کی شال (بیگم کے شانوں پر ڈالتی ہے۔ نواب زادہ سگار کافی کے پیالے میں ڈال دیتا ہے)

بیگم: جیتی رہو بیٹیا۔ ذرا میں باغ میں ہو آؤں۔ سر غلام شاید میرا انتظار کر رہے ہیں (بیچ اسٹیج میں چلتے ہوئے) ذرا خنکی زیادہ ہے۔ تم یہیں رکو میں ابھی آئی۔ (باہر جاتی ہے۔ نواب زادہ رخسانہ کو کنکھیوں سے دیکھتا ہے۔ پھر باہر جانے کا ارادہ کرتا ہے)

رخسانہ: (تخت کے پیچھے جا کر اسائیڈ) خالہ اماں کہہ رہی تھیں کہ ہم کو اشارۃً بھی نہیں کہنا چاہیئے کہ یہ نقلی خالہ ہیں۔ میرے خیال میں تو انہوں نے ان لوگوں کی خاطر یہ روپ بھر لیا ہے (مڑ کر دیکھتی ہے تو نواب زادہ دروازے تک پہنچ گیا ہے، اُس کے پیچھے جاتی ہے) بیگم صاحبہ آپ کیوں جا رہی ہیں؟

نواب زادہ: (مڑ کر) میں ذرا باغ میں جا رہی تھی۔

رخسانہ: (دائیں کو آتے ہوئے) باہر بہت خنکی ہے۔ خالہ اماں نے یوں ہی تو مجھے اندر بھیج دیا تھا۔

نواب زادہ : (لگاوٹ سے) میں آپ کو شال لادوں؟ (دروازے کی طرف بڑھتا ہے)

رخسانہ : (روکتے ہوئے) نہیں شکریہ۔ خالہ اماں کا خیال ہے کہ مجھے کمرے ہی میں رہنا چاہیے۔ پچھلے دنوں میں کچھ بیمار سی ہو گئی تھی۔

نواب زادہ : اچھا مجھے معلوم نہیں ہوا!

رخسانہ : مگر اب بالکل اچھی ہوں، بس ذرا احتیاط کرنی پڑتی ہے۔

نواب زادہ : (سنجیدگی سے) جی آپ کو اپنی دیکھ بھال کرنی چاہیے

رخسانہ : (نواب زادہ کا دایاں بازو تھام کر تخت پر لاتی ہے) مگر آج نہ جانے کیوں خالہ اماں کچھ ضرورت سے زیادہ احتیاط کرا رہی ہیں مجھ سے (تخت پر کشن وغیرہ درست کر کے نواب زادہ کو بٹھاتی ہے پھر رازدارانہ لہجے میں) آپ کو معلوم ہے! — (جلدی سے بائیں کو دیکھ کر) بہت برس ہوئے۔ سر غلام اور خالہ اماں ایک دوسرے پر عاشق تھے!

نواب زادہ : سچ مچ!

رخسانہ : جی، مگر وہ خالہ اماں کو کچھ بتائے بغیر ایک دم پردیس کو چلے گئے۔ خالہ اماں کہتی ہیں۔ وہ بہت ہی شرمیلے تھے، اور اُنہیں معلوم بھی نہ ہوا کہ خالہ اماں اُنہیں کس قدر چاہتی تھیں مگر ایک شریف اور رحم دل انسان کو میں بھی جانتی ہوں جو اُنہیں کی طرح شرمیلے ہیں (چاروں طرف دیکھ کر) اُنہیں کہیں

یہ معلوم ہو گیا کہ میرے آبا جان بیمار ہیں اور بہت مفلس ہو گئے ہیں۔ تو وہ آکر روز اُن سے تاش کھیلا کرتے تھے اور جان جان کر ہارتے تھے۔ مجھے ان کے اس طرح تاش کھیلنے پر اکثر حیرت ہوتی تھی میں جب ڈاکٹر صاحب سے پوچھتی تھی کہ تاش کھیلنا آبا کے لئے مضر تو نہ ہوگا تو ڈاکٹر صاحب ہمیشہ کہتے تھے جو کھیل یہ کھیل رہے ہیں وہ ہرگز مضر نہیں ہو سکتا۔ وہ سب روپے میرے پاس ہیں یہ رقم میں انھیں واپس کرنا چاہتی ہوں۔

نواب زادہ: (آہستہ سے) آپ کو ایسی بات تو سوچنی بھی نہیں چاہئے۔ یہ تو اسے یہ جتانا ہوا کہ وہ ایک قسم کا دھوکے باز ہے۔

رخسانہ: مگر وہ بہت بڑی رقم ہے خالہ اماں کہتی ہیں کہ اُس کی تو آمدنی میری ضروریات کے لئے بہت کافی ہوگی۔

نواب زادہ: (مسکرا کر) آپ کے خیال میں یہ سننے کے بعد وہ کبھی بھی یہ رقم واپس لے سکتا ہے!

رخسانہ: مگر میرا تو فرض ہے کہ ———

نواب زادہ: (اطمینان سے) اب تو اِس کا وقت نکل چکا ہے۔

رخسانہ: ہاں وہ چلا گیا اور میں اُسے یہ بھی نہ بتا سکی کہ میں (مدھم آواز میں) اُسے کتنا چاہتی تھی (کھڑی ہو جاتی ہے) اِن مہربانیوں کی وجہ سے جو انھوں نے ابا جان پر کیں (اسٹیج اسٹیج پر جاتی ہے نواب زادہ آہستہ سے اُٹھ کر صوفے کی طرف جاتا ہے) آپ کو ناگوار تو نہیں گزریں میری سب باتیں؟

نہ جانے کیوں میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ سے باتیں کئے چلی جاؤں
(نواب زادہ کے بازو پر ہاتھ رکھ کر) مجھے آپ بہت اچھی لگتی ہیں
(کھڑکی کے پاس جاکر) کیسا میرا جی چاہتا ہے کہ اُسے ایک بار
کہیں دیکھ پاؤں (رخسانہ بائیں سے باہر جاتی ہے نواب زادہ
اُس کی جانب دیکھتا ہے۔ اُس کے جانے کے بعد بے بسی اور
غصے کے عالم میں کشن میں زور زور سے گھونسے مارتا ہے۔
سبطین ہاتھ میں خط لئے اندر آتا ہے)

سبطین : صدیقہ!

نواب زادہ : (بیچ میں آتے ہوئے) لائیے خط؟ (سبطین خط دکھاتا
ہے، نواب زادہ چھیننے کی کوشش کرتا ہے سبطین اُسے دور ہٹا لیتا ہے)

سبطین : یہ رہا خط مگر پہلے تم میری خوشی تو پوری کرو، اور کہہ دو کہ ہم
دونوں اس مبارک گھڑی ایک دوسرے سے منسوب ہو گئے۔

نواب زادہ : ہم منسوب ہو گئے (نواب زادہ خط لے لیتا ہے) مل گیا
منسوب ہو گئے (دروازے کی طرف بڑھتا ہے)

سبطین : میری جان!

نواب زادہ : (مڑ کر) مسٹر سبطین۔

سبطین : سبطے پکارو پیاری۔

نواب زادہ : (خط پڑھتا ہے) یہی ہے وہ خط۔

سبطین : یہی ہے اور اب ہم منسوب ہو گئے نا؟

نواب زادہ : ہاں ہم منسوب ہو گئے پیارے (جلدی سے دائیں کو جاتا ہے سر غلام اور بیگم بائیں سے اندر آتے ہیں)

سبطین : (بیچ اسٹیج پر جاکر دونوں کے ہاتھ پکڑ کر) بیگم عبدالصمد سر غلام مجھے مبارک باد دیجئے مجھے مبارک باد دیجئے (سر غلام حیرت سے تکتا ہے)

بیگم : (اسائیڈ) مجھے معلوم تھا۔

سبطین : (دائیں دروازے کے پاس سے مڑ کر) میں دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان ہوں۔۔۔ یہ سب بچے کہاں چلے گئے۔ آج کا دن تو ہم سب کے لئے خوشی اور شادمانی کا دن ہے (دائیں سے باہر جاتا ہے)

سر غلام : (بیگم کے شانوں پر سے شال اتار کر صوفے پر رکھتا ہے) نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں سبطین صاحب۔ اِس ہنگامے کا مطلب میری سمجھ میں تو آیا نہیں۔

بیگم : (صوفے پر بیٹھتے ہوئے) ابھی بھی سمجھ میں نہیں آیا؟

سر غلام : قطعاً نہیں۔

بیگم : میں نے کہا نہ تھا کہ اگر ہم اِن دونوں کو تنہا چھوڑ دیں گے تو کیا ہوگا؟

سر غلام : ہاں کہا تو تھا، مگر پھر کیا!

بیگم : کیوں سمجھ میں نہیں آتا۔ اُس نے سبطین کا پیام منظور کر لیا ہے

سر غلام: کس نے؟

بیگم: (بے رخی سے) بیگم جعفر شنشتر و مدینیو نے (صوفے پر بیٹھ جاتی ہے)

سر غلام: کیوں بہکا رہی ہو!

بیگم: ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔

سر غلام: ہم بھی کس قدر پاجی واقع ہوئے ہیں۔

بیگم: کیوں آپ پچھتا رہے ہیں؟

سر غلام: نہیں مگر اِس شریر احمد نے یہ بے ہودہ تجویز پیش کی کہ میں۔۔۔

بیگم: کہ آپ اپنا دل و دماغ بیگم صدیقہ نشتر و مدینیو کی خدمت میں پیش کر دیں۔

سر غلام: سوچتا ہوں کہ کس قدر بے وقوف بنتا اگر ان لڑکوں کے کہنے میں آجاتا!

بیگم: تو کیا آپ کو سبطین پر رشک نہیں آرہا؟

سر غلام: رشک؟ (بیگم کے داہنے کو آکر)

بیگم: مگر آپ نے اُن کے لاکھوں پر غور نہیں کیا۔

سر غلام: تمہارے رخِ روشن کے مقابلے میں لاکھوں کیا کروڑوں نہیں ٹھہریں گے۔

بیگم: مگر اس چہرے کو آپ پہچانتے تو تھے نہیں۔

سر غلام: (محبت سے) جب پہچان لیا تو، تو پھر تو شکایت دور ہو جانی چاہیئے تھی، اب مجھے شرمندہ نہ کرو صدیقہ۔

بیگم : مگر میری غربت تو تمہارے میرے درمیان حائل نہیں ہوگی؟
سر غلام: تمہیں پانا دنیا کی سب سے بڑی دولت حاصل کرنا ہے؟
بیگم : واقعی حیدر کیا یہ سچ ہے ؟ (ہاتھ سر غلام کی طرف بڑھاتے ہوئے)
سر غلام : (بیگم کا ہاتھ تھامتے ہوئے) صدیقہ یہ میرے دل کی آواز ہے
(بیگم مسکراتی ہے) کیا بات ہے تم مسکرا کیوں رہی ہو؟
بیگم : میں ذرا سوچ رہی تھی -
سر غلام : کس کے بارے میں ؟
بیگم : بیگم جعفر ششتر و بدینو کے بارے میں (رخسانہ آتی ہے)
سر غلام : ہاں واقعی عجیب بدہیئت عورت ہے (دروازے تک جاتا ہے)
رخسانہ : (بیگم کے پاس آکر) خالہ اماں باہر خنکی تو زیادہ نہیں تھی ؟
بیگم : میری جان میں نے خیال نہیں کیا۔
رخسانہ : (مسکرا کر) خالہ اماں آج آپ اس قدر حسین معلوم ہو رہی ہیں۔
(سر غلام کی طرف دیکھ کر آہستہ سے، کیا سر غلام نے ———
بیگم : شو! (ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے)
(رخسانہ بیگم کو پیار کرتی ہے اور صوفے پر بیگم کے بائیں کو بیٹھ جاتی
ہے۔ سر غلام سگریٹ سلگانے کے بعد کرسی پر بیٹھ جاتا)
سبطین : (باہر سے) آؤ بچو آؤ (اندر آکر بس چلے آؤ (سبطین کے پیچھے پیچھے
ثریا، نصرت، احمد اور خالد ہیں۔ فقیرا ہاتھ میں خالی کشتی لئے آتا ہے)
ثریا تم یہاں بیٹھو (کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہے) مجھے تم سے کچھ

کہنا ہے، جسے آپ سب لوگ سن کر بہت خوش ہوں گے
(چاروں طرف دیکھ کر) مگر بیگم مدینو کہاں ہیں (ایک ہل چل
سی ہے مگر سب خاموش ہیں فقیرا آگے بڑھتا ہے)

فقیرا: حضور میرے خیال میں بیگم صاحبہ کمرے میں تشریف لے گئی
ہیں (پیچھے کو ہٹتا ہے)

سبطین: خیر اُن کے آنے سے پہلے آپ کو ایک راز کی بات بتانا
چاہتا ہوں (سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں)

سب: راز؟ سچ مچ؟

سبطین: (تقریر کرتے ہوئے) مجھے اُمید ہے کہ آپ لوگ چند
منٹ کے لئے میری بات غور سے سنیں گے۔

خالد: (احمد سے گھبرا کر) یار یہ کیا کہنے جا رہے ہیں؟

احمد: (اسائیڈ) مجھے کیا معلوم، مجھ پر کیا کوئی وحی نازل ہوتی ہے۔

سبطین: صاحبان میری تنہائی کا تو آپ سب کو احساس ضرور
ہوگا۔ اِس تنہائی کے ساتھ ساتھ لاتعداد ذمّے داریوں
کا بوجھ میرے اکیلے کے بس کا نہ تھا۔ پروردگار نے اپنے
کرم سے ایک جنّت کی حور بھیجی جو میرے لئے خوشیوں اور
شادمانیوں کا پیام لے کر آئی۔

خالد: (اسائیڈ) احمد یہ کس کی طرف اشارہ ہے؟

احمد: (اسائیڈ) بکو مت۔ پہلے سن تو لو۔

سبطین : اِس حور کی خواہش کے مطابق میں اپنی بیٹی نصرت جہاں
کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ خالد لطیف سے شادی کر سکتی ہے
مجھے خالد لطیف کی شرافت اور قابلیت پر مکمّل بھروسہ
ہے (خالد نصرت کے پاس جاتا ہے)

سبطین : مزید براں اِس حور کے حسن و جمال سے متاثّر ہو کر میں یہ
اعلان کرتا ہوں کہ میں نے اپنی بھتیجی ثریا جبیں بنت محمد حسین
کو بخوشی اجازت دی کہ وہ احمد سعید حیدر پسر غلام احمد حیدر
سے نکاح کر سکتی ہے۔ (احمد ثریا کے پاس جاتا ہے) اب رہی
تیسری منگنی (احمد خالد کے پاس آتا ہے)

سب : تیسری منگنی؟

سبطین : میری ارض بریں کی حور جس کے جمال و کمال ہی نہیں دولت
کا شہرہ مشرقی ایشیا کے کونے کونے میں گونج رہا ہے مجھ ناچیز
کو اپنے مہر و کرم سے نواز رہی ہیں اور بیگم سبطین بننے والی ہیں۔

ثریا : میرے خیال میں بیگم جعفر شمشیر و بدینو کا ذکر ہے (فقیرا کشتی گرا دیتا
ہے۔ کشتی میز سے ٹکرا کر نیچے گرتی ہے اور سٹیج پر ہل چل ہے)

سبطین : یہ کیا طوفان بدتمیزی ہے؟

فقیرا : (گھبرا کر) سرکار کشتی گر گئی۔ معاف فرمائیں۔

سبطین (چلّا کر) ہوش میں رہ کر کام کیا کرو۔ (فقیرا کشتی اُٹھاتا ہے)

نصرت : (آگے بڑھ کر سبطین کو ٹھنڈا کرتی ہے) ابا جان غلطی ہو گئی۔

سبطین : احتیاط سے کام کرو فقیرا ـــــــ میرے لئے اِس سے بڑھ کر خوشی کا باعث ـــــــ

خالد : (غصے میں آگے بڑھتا ہے۔ سبطین کے قریب آکر) سبطین صاحب خدا کے واسطے یہ گفتگو بند کیجیے میں اِسے برداشت نہیں کر سکتا۔

سبطین : خالد لطیف صاحب آپ کا دماغ چل گیا ہے۔ آپ کیا بک رہے ہیں ؟

خالد : معاف فرمایئے جناب عالی۔ چاہے میرا کچھ حشر ہو مگر میں ایک منٹ۔

سبطین : (ناک چڑھاکر) میرے خیال میں آپ کا اشارہ میری تجی نصرت کی طرف ہے آپ انکار کرنا ـــــــ

خالد : (طیش میں آکر) ہرگز نہیں۔ میں ہرگز شادی نہیں کروں گا (سٹیج پر ہل چل) یہ سب ڈھکوسلہ ہے مکاری ہے (بیگم مسکراتی ہے۔ وہ عورت۔

سبطین : کیا تمہارا اشارہ ـــــــ

خالد : جی ہاں میں کہتا ہوں کہ وہ عورت ـــــــ

سبطین : میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اپنی خالہ صاحبہ کی شان میں۔ ذرا مہذب الفاظ استعمال فرمائیں۔

خالد : وہ میری خالہ نہیں ہے (بیگم اُٹھ کر بیچ اسٹیج کو جاتی ہے رخسانہ پیچھے پیچھے ہے۔ دونوں کھڑی تماشا دیکھتی ہیں سر غلام تخت کے پیچھے ہے فقیرا دروازے کے پاس ہے)

سبطین : تمہاری خالہ نہیں ! کیا مطلب ہے تمہارا ؟

خالد : مجھے نصرت سے اِس قدر محبت ہے کہ میں جھوٹ ـــــ
سبطین : محبت کی پروانہ کیجے بات صاف فرمایئے۔
احمد : سبطین صاحب اصلی مجرم میں ہوں۔ مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔
مجھے موقع دیجئے کہ میں صحیح واقعات بیان کروں۔
سبطین : میں جواب اِن سے طلب کر رہا ہوں (خالد کی طرف اشارہ کرتا ہے) یہ جواب دیں اور صاف صاف بتائیں کہ یہ ماجرا کیا ہے؟
فقیرا : (دروازے کے پاس اسائیڈ) نواب زادہ صاحب کو چل کر بتلادوں۔
خالد : سبطین صاحب آج صبح مس حسین اور مس سبطین کو لنچ پر مدعو کرنے کے بعد ہمیں تار سے اطلاع ملی کہ خالہ جان نہیں آسکتیں بگر ملتے ہیں یہ دونوں خواتین خالہ جان سے ملنے ہمارے کمرے میں پہنچ گئی تھیں ہم مجبور تھے۔
احمد : (خالد کی امداد کو آتے ہوئے) ہم نے ایک دوست کی خوشامد کی کہ ـــ
سبطین : کہ وہ خالد کی خالہ کا روپ بھرے (تخت کے پاس جاکر) مجھے تم لوگوں نے دھوکا دیا۔ مجھ سے مکاری اور دغابازی کی گئی
خالد : جناب عالی ہم قسم کھا سکتے ہیں کہ ہماری نیت آپ کو دھوکا دینے کی نہیں تھی
سبطین : (مڑکر غصے سے) جھوٹ مت بکو۔ (خالد نصرت کے قریب جاتا ہے نصرت الگ ہٹ جاتی ہے)
احمد : (سبطین کو ٹھنڈا کرتے ہوئے) میں بعد معافی یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جناب یہ بھول گئے کہ آپ کے تشریف لانے کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔

سبطین : (دروازے کے پاس جاکر) مکّار چڑیل۔

احمد : اس میں بھلا اس کا کیا قصور ہے آپ اسے ملزم قرار نہیں دے سکتے
(ثریا کے پاس صوفے کے بائیں کو جاتا ہے)

نواب زادہ : (باہر سے) میں جاؤں (احمد اور خالد پریشان ہیں خالد دروازے کی طرف بڑھتا ہے)

سبطین : نکال دو اس عورت کو میرے گھر سے (نواب زادہ کالی اچکن سفید پاجامہ پہنے اندر آتا ہے ریل چیل اور تعجب، ثریا صوفے کے ایک کونے کی طرف ہٹتی ہے)

نواب زادہ : (بیچ اسٹیج پر آکر) یارو، میں آسکتا ہوں ؟

سبطین : (نواب زادہ کی طرف پشت کیے کھڑا ہے) دھکّے دے کر نکال دو اس عورت کو (مڑکر نواب زادہ کو دیکھتا ہے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے) آپ کون ہیں ؟

نواب زادہ : (بوڑھی عورت کی طرح ہاتھ رکھ کر) میں خالد کی خالہ ہوں انڈونیشیا سے آئی ہوں۔ انڈونیشیا آئس لینڈ کے شمال میں ہے۔

احمد : (نواب زادہ کے پاس جاکر) حبیب احمد خاں کہو، بے وقوف (ثریا کے پاس جاتا ہے)

نواب زادہ : (سبطین سے) معاف فرمائیے خاکسار کو حبیب احمد خاں کہتے ہیں

رخسانہ : (بیگم سے اسائیڈ) ہائے غضب اور میں نے ان سے سب کچھ کہہ دیا
(دونوں باہر جاتی ہیں)

سبطین : (غصّے میں) یہ سب کیا تماشا ہے ؟

(رخسانہ اور بیگم اندر آکر میز کے پاس کھڑی ہوجاتی ہیں)

نواب زادہ : ہم سب قصوروار ہیں اور دست بستہ معافی کے خواست گار خاص طور پر مَیں اگر مَیں آپ کو یوں گمراہ نہ کرتا تو یہ سب کچھ ہرگز نہ ہوتا۔

(رخسانہ آہستہ سے میز کے پاس آتی ہے)

خالد : سبطین صاحب ہم سب بھی معافی کے خواستگار ہیں۔

احمد : اور یہ بھی کہو کہ ہمارے پاس الفاظ نہیں کہ معافی کی درخواست بھی کر سکیں

سبطین : (غصے میں) یہ بہت ذلیل حرکت تھی نہایت مکروہ مگر وہ دستاویز کہاں ہے جو مجھ سے دھوکے سے حاصل کی گئی ہے

نواب زادہ : وہ میرے پاس ہے (اچکن کی اندر کی جیب سے نکالتا ہے)

ثریا : (صوفے پر سے) یہ خط میرا ہے میرا۔

سبطین : (نواب زادہ سے) اِدھر لائیے یہ خط (ثریا سے) مس حسین (نوابزادہ سے) میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ اسے واپس دے دیجیے۔ (خط لینے کی کوشش کرتا ہے)

بیگم : (نواب زادہ اور سبطین کے درمیان آکر) مجھے اجازت دیجیے (خط لیتی ہے)

سبطین : میں اِسے کبھی تسلیم نہیں کروں گا۔ (ثریا کی طرف دیکھ کر) اِن کے باپ کی وصیت کے مطابق مجھے اِس پر اعتراض ہے۔ میں اِس سے انکار کردوں گا۔

بیگم : یہ خط بیگم جعفر شتشتر ومدینہ کے نام ہے اور اُسے پہنچ گیا۔

سبطین : مگر وہ (نواب زادہ کو دیکھ کر) تو بیگم شتشتر ومدینو نہیں ہیں۔

بیگم : مگر میں تو ہوں ۔ (اسٹیج پر ہل چل)

سطین : تم آپ !!!

سب : آپ !

سرغلام : صدیقہ ! (ہل چل اور کانا پھوسی)

(ثریا صوفے پر بیٹھ جاتی ہے بیگم سرغلام کے پاس جاتی ہے)

بسطین : آپ لوگ مجھے اجازت دیں (تخت کے پاس سے ہٹ کر جانے کو ہے پھر نواب زادہ سے) اور جہاں تک آپ کا سوال ہے میں کل صبح ہی وائس چانسلر سے بات کروں گا (باہر جاتا ہے)

نواب زادہ : خالد یار یہ مجھ پر کہیں کوئی مقدمہ نہ ٹھونک دیں ۔

نصرت : (پیچھے بیچ اسٹیج پر آتے ہوئے ۔ زمین پر پاؤں پٹخ کر خالد سے) خالد، نہیں میرا مطلب ہے مسٹر خالد لطیف آپ کی اتنی جرأت کیونکر ہوئی ۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی ۔ میں آپ میں سے کسی کو معاف نہیں کر سکتی ۔ آپ تینوں نے میرے ابا کے ساتھ بدتمیزی کی (مڑ کر جانے لگتی ہے)

بیگم : (نصرت کو روکتے ہوئے بی بی ذرا صبر و تحمل سے کام لو میں تمہارے والد پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہونے دوں گی اور جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے اس کی تلافی کرنے کی کوشش کروں گی ۔ مجھے درحقیقت اس واقع کی وجہ سے افسوس ہے کہ میرے وقت پر نہ آنے سے یہ جھنجھٹ پیدا ہو گیا (نواب زادہ کی طرف دیکھ کر) اور میری جانشین پیدا ہو گئی ۔

نواب زادہ : (خالد سے) ارے یار تھی یہ میرے مرحوم شوہر کو خوب اچھی طرح جانتی تھیں (بیگم نصرت کا ہاتھ خالد کے ہاتھ میں تھماتی ہے، سب باتیں کرتے ہیں)

ثریا : آپ سب کی طرح اِس واقعہ کا مجھے بھی بے حد ملال ہے مگر احمد کے لئے میری جان حاضر ہے۔

بیگم : (ذرا آگے آتے ہوئے) یہ بات ہے؟ تو پھر یہ انتظار کریں جب تک کہ میں ان کی والدہ نہ بن جاؤں (نصرت تخت پر بیٹھتی ہے)

احمد : (میری والدہ!

سر غلام : (بیگم کے دائیں کو آ کر) صدیقہ بیگم نے بھی آپ لوگوں کو دھوکے میں رکھا، مگر حقیقت آشکار ہونے کے بعد اُنہوں نے میری عزت افزائی کی۔ اور اپنے صحیح مقام پر پہنچ گئیں (سر غلام پیچھے ہٹتا ہے احمد صوفے پر بیٹھتا ہے۔ رخسانہ بھی پیچھے ہٹتی ہے)

بیگم : (نواب زادہ سے) نواب زادہ حبیب احمد خاں (بیگم کے قریب آتا ہے) جس طرح تم نے کسی کا مکمل اعتماد حاصل کر لیا وہ ناقابل معافی ہے۔

نواب زادہ : بیگم صاحبہ میں واقعی گردن زدنی ہوں (رخسانہ کی طرف دیکھ کر) اگر مس شریف حسن مجھے معاف کر دیں تو میں اپنی جان و مال ان کے قدموں پر نثار کرنے کو تیار ہوں اور ہمیشہ کے لئے اُن کا غلام ہو جاؤں گا۔

(بیگم رخسانہ کی طرف دیکھتی ہے، پھر ہاتھ بڑھاتی ہے، رخسانہ اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دیتی ہے)

رخسانہ : خالہ اماں ! (بیگم نواب زادہ کی طرف جاکر رخسانہ کا ہاتھ نواب زادہ کی باہنہ پر رکھ دیتی ہے ۔ دونوں بیچ اسٹیج کی طرف بڑھتے ہیں نواب زادہ خالد کی ٹانگ پر اپنی چھڑی سے ایک ٹھوکر مارتا ہے ۔ خالد لنگڑاتا ہوا تخت کے پاس جاتا ہے)

بیگم : میرا لڑکا کہاں ہے ؟

احمد : میں حاضر ہوں امی جان ۔

بیگم : میں تم سے سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں اس سے پیشتر کہ میں یہ خط تمہیں دوں (خط دکھا کر، احمد بیٹھ جاتا ہے ۔ خالد کی طرف مڑتی ہے) اگر تم لوگوں نے اس غریب کو پھر دھوکا دیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی ، نواب زادہ سے) اور تم بھی سن لو میاں صاحب زادے ۔
(ساز مدھم سُروں میں شروع ہوتا ہے)

نواب زادہ : (رخسانہ کو لے کر دائیں طرف سے بیچ اسٹیج آتا ہے) میں وعدہ کرتا ہوں اور کان پکڑتا ہوں کہ میں ایسی حرکت پھر کبھی نہیں کروں گا ۔ بیگم صاحبہ اگر آپ فرمائیں تو میں اپنے کپڑے آپ کی خدمت میں پیش کروں ۔ کیونکہ مس شریف حسن نے مجھے اپنا شریک حیات بنا لیا ہے ۔ اس لئے مجھے اب ان کپڑوں کی چنداں ضرورت نہیں اور میں سر غلام حیدر کو اپنا جائز جانشین قرار دیتا ہوں (نواب زادہ کی گفتگو کے دوران میں سر غلام بیگم کے بائیں کو آتا ہے) خالد کی خالہ زندہ باد !
(ساز اونچا ہوتا ہے)

(پردہ)